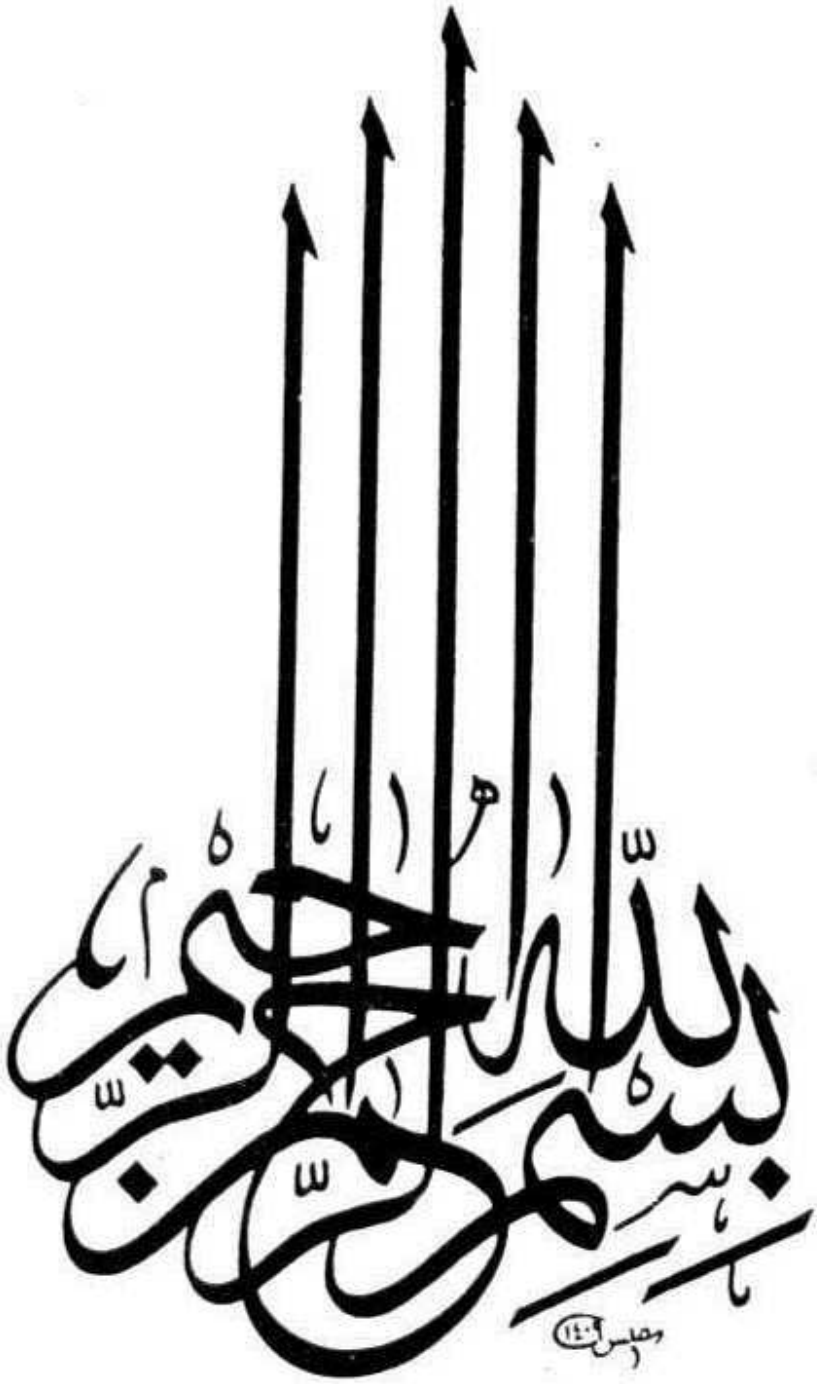
بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلاف کے
حیرت انگیز واقعات

ازافادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا کہ فتنے اور ظلمت کے دور میں ایمان کی حفاظت کیلئے کونسا نسخہ اکسیر ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا اولیاء اللہ کے احوال و واقعات کا پڑھنا، یہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، ہر دور اور ہر زمانے میں پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

اسلاف کے حیرت انگیز واقعات

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ .

و قال رسول الله ﷺ اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اللہ کے لشکر:

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ فتنے اور ظلمت کے دور میں ایمان کی حفاظت کے لئے کونسا نسخہ اکسیر ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا، اولیاء اللہ کے احوال واقوال کا پڑھنا۔ یہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، ہر دور اور ہر زمانے میں پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جس وقت دنیا میں اولیائے کرام کا وجود نہیں ہوگا اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہئے جس کی وجہ سے ہم لغویات سے دور رہ سکیں۔ آپ نے فرمایا، اولیائے کرام کے حالات کا ایک جز وروزانہ پڑھ لیا کرنا۔

آج علم وعمل کی تنزلی کا دور ہے۔ ہر شخص کاروبار حیات میں اس قدر مصروف ہو گیا ہے کہ مشائخ کی صحبت میں جانے اور طاعت وعمل کی زندگی کو اپنانے میں سو طرح کے عذر کرتا ہے۔ ان حالات میں اگر اللہ والوں کی زندگی کے حالات و واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ غافل دلوں کو جگانے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فیض:

پہلے کسی محفل میں دارالعلوم دیوبند کا تاریخی پس منظر بیان کیا تھا۔ اس ضمن میں ان حالات وواقعات کا ذکر کیا تھا جن کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کام کے لئے کچھ قربانیاں دی گئی ہوں اور اس کے کرنے والوں میں خلوص بھی انتہاء درجے کا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثمرات بھی ایسے ہی دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اس دارالعلوم سے بہت سی ایسی شخصیات فیض یاب ہو کر نکلیں کہ جن کے تقویٰ، خلوص عمل اور علمی کارنامے سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جی چاہتا تھا کہ کسی محفل میں دارالعلوم دیوبند کی فیض یافتہ ان شخصیات کے واقعات سنائے جائیں تا کہ ہمیں پتہ چلے کہ ہماری روحانی نسبت کن اسلاف سے جا کر ملتی ہے۔ چنانچہ آج اپنے اکابرین کے انہی واقعات کا تذکرہ کیا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام خورشید حسن تھا۔ آپ 1248ھ میں ضلع سہارنپور کے قصبے نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اسد علی بن غلام شاہ نہایت پرہیز گار اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ آپ بچپن سے ہی سعادت مند، ذہین، اور محنتی تھے۔ ابتدائی تعلیم قصبہ دیوبند میں حاصل کی پھر 1260ھ میں مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ

ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔ بعدازاں آپ شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور تصوف وسلوک کی منازل طے کرتے ہوئے خلعت خلافت حاصل کی۔ اس روحانی نسبت نے آپ کے باطنی جوہروں کو خوب نکھار دیا۔ آپ خوش مزاج اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے، حد درجہ منکسر المزاج، شہرت سے گریزاں، ریاء سے کوسوں دور تھے۔ علم وعمل، زہد وتقویٰ کے پہاڑ تھے اور بہت بڑے مناظر تھے۔ باطل قوتوں سے متعدد مناظرے کیے اور ہمیشہ کامیاب رہے۔ آپ اپنے دور کے ایک عظیم محدث اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

آپ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اپنے رفقائے کار مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ سے مل کر انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھی حصہ لیا۔ انجام کار آپ کے کئی ساتھی شہید ہوئے اور کئی گرفتار ہو گئے۔

جنگ آزادی کی شکست کے بعد آپ نے احیائے دین کا کام دوسرے انداز میں شروع کیا اور دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جہاں سے بے شمار تشنگان علم نے فیض پایا۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جو علم وعمل کی دنیا میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ اس دارلعلوم کے فضلاء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہزاروں مشاہیر شخصیات نکلیں جنہوں نے ایک عالم کو اپنے فیض سے منور کیا۔ بالآخر علم وعمل کا یہ آفتاب 4 جمادی الاول 1297ھ بروز جمعرات ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اتباع سنت:

1857ء میں جب گورنمنٹ کی طرف سے گرفتاریاں ہوئیں تو آپ صرف تین دن روپوش رہے۔ اس کے بعد لوگوں کے اصرار کے باوجود انکار فرما دیا کہ تین دن سے زیادہ روپوش رہنا خلاف سنت ہے۔ حضور اکرم ﷺ بھی غارِ ثور میں تین دن ہی مقیم رہے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دَوِش کے سپاہیوں سے مسجد میں ہی ملاقات ہوگئی تو انہوں نے آپ ہی سے پوچھا، مولانا قاسم نانوتوی صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر اسی جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ابھی تو یہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کا بڑا کام لینا تھا اس لئے ہاتھ نہ آئے۔

ایک ماہ میں حفظ:

ایک مرتبہ آپ قطب عالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حج کے لئے جا رہے تھے۔ قافلے میں کوئی حافظ نہ تھا۔ رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ آپ روازنہ ایک پارہ حفظ کر کے رات کو تراویح میں سنا دیتے۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلا اور صرف ایک ماہ کی مختصر مدت میں پورا قرآن پاک حفظ بھی کر لیا۔

علمی کمال کی پانچ وجوہات:

حصول علم میں ادب اور تقویٰ کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہی کتابیں پڑھی تھیں جن کو سب پڑھتے ہیں پھر ان کو اتنا علم کہاں سے آیا؟ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے ایک تو مولانا طب کی رو سے معتدل مزاج تھے، دوسرے یہ کہ ان کو استاد بڑے کامل ملے یعنی مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا علم و فضل کسی سے مخفی نہیں، تیسری یہ بات کہ متقی اعلیٰ

درجہ کے تھے، چوتھی بات یہ کہ ان میں استاد کا ادب بہت زیادہ تھا، پانچویں بات یہ کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے کامل پیر ملے۔

استاذ کا ادب:

ادب کی یہ کیفیت تھی کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بیماری میں آپ کے پاس آتے تو آپ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب نے دریافت کیا، حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا، حضرت! اس لئے کہ آپ میرے استاذ ہیں۔ انہوں نے کہا، میں کہاں استاذ ہوں؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کام میں مصروف تھے تو آپ سے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھادو۔ اس لئے آپ میرے استاذ ہوئے۔

پیر کے ہم وطن آدمی کا احترام:

تھانہ بھون کے ایک شخص کو اہل علم سے محبت تھی۔ اس نے حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ ایک دفعہ میں دیوبند میں مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ مولانا نے فارغ ہوکر پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا، تھانہ بھون سے آیا ہوں۔ یہ سن کر گھبرا کر فرمایا کہ بے ادبی ہوئی، وہ تو میرے پیر کا وطن ہے۔ آپ آئے اور میں بیٹھا رہا آپ مجھ کو معاف کیجئے۔

ادب کی انتہاء:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کا ذکر فرماتے تھے کہ میں نے اپنا ایک مسودہ مولانا کو نقل کے لئے دیا۔ ایک مقام پر املا میں غلطی ہوگئی تھی۔ مولانا اس مسودہ کو نقل کر کے لائے تو اس لفظ کی جگہ بیاض میں

خالی چھوڑ دی۔ صحیح بھی نہیں لکھا کیونکہ یہ تو شیخ کے کلام کی اصلاح تھی اور غلط بھی نہیں لکھا کہ یہ علم کے خلاف تھا اور عمداً خطا کی اور آ کر فرمایا کہ اس جگہ پڑھا نہیں گیا۔ غلطی کی نشاندہی نہیں کی۔ غرض یہ تھی کہ دیکھ کر غلطی درست کر دیں۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم سے کاٹ کر درست کر دیا۔

توجہ کا اثر:

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، ایک دفعہ میں صبح کی نماز میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر سے گزرا کہ میں تحمل نہ کر سکا۔ قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا ایک دم آیا ویسے ہی ایک دم نکل گیا۔ نماز کے بعد غور کرنے پر منکشف ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان ساعتوں میں میرٹھ میں میری طرف متوجہ ہوئے تھے۔ یہ ان کی توجہ کا اثر تھا۔ پھر فرمایا، اللہ اکبر، جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا قلب میں موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے تو خود اس شخص کے اپنے قلب کی وسعت وقوت کا کیا حال ہوگا کہ جس میں وہ خود علوم سمائے ہوئے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیبت:

ایک دفعہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا، کونسی کتابیں پڑھتے ہو؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر اس قدر رعب غالب ہوا کہ کتابوں کے نام بھول گئے۔ پھر آپؒ نے دوسری باتیں شروع کیں تاکہ ہیبت کا اثر کم ہو جائے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت کھل جائے۔ چنانچہ بعد میں فرمایا کہ ایک ہوتا ہے پڑھنا دوسرا ہوتا ہے رسوخ حاصل کرنا۔ محض پڑھنا کافی نہیں بلکہ

رسوخ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر ایک مثال بیان فرمائی۔ ایک حافظِ ہدایہ تھے مگر سمجھ کر نہ پڑھی تھی۔ ایک دوسرے عالم تھے جنہوں نے سمجھ کر پڑھی تھی، ان سے کہا کہ ایک مسئلہ ہدایہ میں ہے۔ حافظ ہدایہ نے انکار کیا کہ یہ مسئلہ ہدایہ میں نہیں ہے میں تو ہدایہ کا حافظ ہوں۔ مگر جب دوسرے نے کتاب کھول کر عبارت پڑھ کر استنباط کیا تو حافظِ ہدایہ حیران رہ گئے۔ اتنا فرما کر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا یہ فرق ہے پڑھنے اور رسوخ حاصل کرنے میں۔

نرمی سے نصیحت:

ایک خان صاحب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے دوست تھے مگر لباس ان کا خلافِ شریعت تھا۔ وہ جمعہ کے دن آپ کے پاس آ کر غسل کرتے، کپڑے بدلتے اور پھر نماز جمعہ پڑھتے۔ ان کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سخت طبیعت کے آدمی ہیں کہنے سے نہیں مانیں گے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جمعہ کو ان سے فرمایا کہ میاں آج دو جوڑے لیتے آیئے۔ جب ہمارے دلوں میں محبت اتنی ہے تو پھر ہم بھی تمہاری وضع کا لباس پہنیں گے۔ وہ صاحب بے حد متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ خدا نہ کرے آپ مجھ خبیث کی وضع پر رہیں۔ آپ ہی مجھ کو ایک جوڑا دیجئے میں اس کو پہنوں گا۔ اس شخص نے ہمیشہ کے لئے اس لباس سے توبہ کر لی۔

تقلید کی ضرورت:

ایک غیر مقلد نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سن کر کہا کہ آپ مجتہد ہو کر تقلید کرتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھ کو اس سے زیادہ اس پر تعجب ہے کہ آپ غیر مجتہد ہو کر تقلید نہیں کرتے۔ اس بات سے اس شخص نے تقلید کی ضرورت سمجھ لی کہ جب اتنا بڑا شخص مقلد ہے تو ہم کس شمار میں ہیں؟ معلوم ہوا کہ

جس قدر علم بڑھتا ہے تقلید کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے سامنے ایسے مواقع بہت آتے ہیں جہاں اپنی رائے کام نہیں دیتی۔

شانِ مسکنت:

ایک طالب علم نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شرط پر منظور ہے کہ خود کچھ مت پکانا، گھر میں جو تمہاری روٹیاں مقرر ہیں وہی ہم کو بھی کھلا دینا۔ اس نے منظور کرلیا۔ یہ ہے شان مسکنت اور غربت وانکساری اور عاجزی کہ اتنا بڑا شخص اور اس طرح اپنے کو مٹائے ہوئے تھا۔

شانِ استغنا:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بریلی کے ایک رئیس نے غالباً چھ ہزار روپیہ پیش کیا کہ کسی نیک کام میں لگا دیجئے۔ فرمایا کہ لگانے کے بھی تم ہی اہل ہو تم ہی خرچ کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ میں کیا اہل ہوتا۔ فرمایا، میرے پاس اس کی دلیل ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اہل سمجھتے تو مجھ کو ہی عنایت فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ امرا کو استغنا کی چھری سے ذبح کرتے تھے۔

تواضع:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں مثنوی شریف پڑھاتے تھے۔ ایک مجذوب بھی شریک ہوتے تھے۔ وہ کئی روز تک مثنوی سن کر کہنے لگے، مولانا اگر مجذوب ہوتے تو کیا اچھا ہوتا۔ ایک مرتبہ انہوں نے محبت سے کہا، حضرت! میں آپ کو توجہ دینا چاہتا ہوں ذرا بیٹھ جایئے۔ ان کی نیت یہ تھی کہ کیفیت محمودہ کا آپؒ پر القا کریں۔ آپ متواضع بن کر بیٹھ گئے وہ متوجہ ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں گھبرا کر کہنے لگے، حضرت! بڑی گستاخی ہوئی، معاف کیجئے، مجھ کو کیا خبر تھی کہ آپ کتنی

بلندی پر پہنچے ہوئے ہیں۔

فن تعبیر میں مہارت:

ایک زمانہ میں مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکاری سکول میں ملازمت کے لئے گورنمنٹ کے یہاں درخواست دے رکھی تھی۔ اسی زمانے میں خواب دیکھا کہ بریلی سے کچھ بطیں ان کے مکان کی طرف آ رہی ہیں۔ یہ خواب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا، اگر مٹھائی کھلاؤ تو اور تعبیر ہے اور مٹھائی نہ کھلاؤ تو اور تعبیر ہے۔ انہوں نے مٹھائی کھلانے کا وعدہ کیا تو فرمایا جاؤ تم بریلی میں بیس روپے کے ملازم ہو جاؤ گے۔ اس کی حقیقت پوچھنے پر فرمایا کہ لفظ بط کے عدد فارسی کے اعتبار سے گیارہ ہیں۔ ب کے دو اور ط کے نو عدد ہیں۔ مگر اس میں ط مشدد ہے۔ میں نے اس کو مکرر لے کر بیس سے تعبیر دی۔ چنانچہ مولانا منیر کو بیس روپے کی ملازمت مل گئی۔

ایک سوال دو جواب:

ایک صالح شخص کو لوگوں نے کسی عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ کر کے اس کا عاشق بنا دیا۔ اس شخص نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ میں اس عورت سے نکاح کرلوں یا نہیں؟ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہرگز نکاح نہ کرو تم شریف خاندانی ہو اور وہ بازاری عورت ہے۔ اس سے نسل پر برا اثر پڑے گا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مشورہ دیا کہ نکاح کرلو۔ مولانا اس شخص کی حالت سے متاثر ہو گئے اور یہ سمجھے کہ اس کی یہ بے قراری تب زائل ہوگی جب اس سے نکاح کرے گا۔ دونوں کامل الاخلاق تھے اور دونوں اس کی حالت سے متاثر ہوئے مگر ایک غالب الاخلاق تھے ایک

مغلوب الاخلاق تھے۔ اور یہ امر غیر اختیاری ہے۔ اس میں کسب کو دخل نہیں۔ حق تعالیٰ جس کو چاہیں غالب الاخلاق کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں مغلوب الاخلاق کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ ایک ہی شخص ایک خلق پر غالب اور دوسرے خلق سے مغلوب ہوتا ہے۔ یہ بھی غیر اختیاری ہے اگرچہ کمال یہ ہے کہ سالک غالب الاخلاق ہو۔

خدّام کی خدمت:

ایک دفعہ ایک درویش حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درویشی کا امتحان لینے بڑے تزک واحتشام سے آئے۔ بہت سے گھوڑے اور خادم بھی ساتھ تھے۔ حضرتؒ نے سب کی دعوت کی۔ شاہ صاحب کے نوکروں اور خادموں کو اپنے ہاتھ سے اسی شان کے برتنوں میں کھانا کھلایا جیسے برتنوں میں خود کھاتے تھے۔ وہ درویش حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ انکسار اور خلق دیکھ کر آپ کے کمال کے قائل ہو گئے۔

مطبع میں ملازمت:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے پرنٹنگ پریس میں ملازمت کی درخواست پیش کی۔ آپ نے فرمایا، علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں، البتہ قرآن مجید کی تصحیح کر لیا کروں گا، اس میں دس روپے دے دیا کرو۔ اللہ اللہ کیا ہی تواضع اور زہد ہے۔ اسی زمانے میں ریاست بہاولپور سے تین سو روپیہ ماہوار کی نوکری کی پیش کش ہوئی۔ مولانا نے جواب میں لکھا کہ

"آپ کی یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں مگر مجھے یہاں دس روپے ملتے ہیں جس میں پانچ روپے تو میرے اہل وعیال کے لئے کافی ہو جاتے ہیں اور

باقی پانچ روپے بچ جاتے ہیں۔ آپ کے یہاں سے جو تین سو روپیہ ملیں گے ان میں سے پانچ روپے تو خرچ ہوں گے اور دو سو پچانوے روپے جو بچیں گے میں ان کا کیا کروں گا؟ مجھ کو ہر وقت ہی فکر لگی رہے گی کہ ان کو کہاں خرچ کروں؟ لہٰذا میں آنے سے معذور ہوں''۔ غرض آپ تشریف نہیں لے گئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بے تکلفی:

ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجھ کو اتنی نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے فرمایا کہ اب تو ماشاء اللہ آپ کی حالت باطنی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لا حول ولا قوۃ استغفر اللہ بھلا کہاں حضرت اور کہاں میں.....!!!

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

پھر فرمایا، کہ مجھے اس بات سے بڑی تکلیف ہوئی اور بڑا صدمہ ہوا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خیر آپ ان سے بڑھے ہوئے نہ سہی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ تکلیف آپ کو کیوں ہوئی؟ آپ تو کہتے تھے مجھے حضرت سے محبت نہیں ہے۔ اگر محبت نہیں تھی تو یہ صدمہ کیوں ہوا؟ ویسے ہی اپنی فضیلت کی نفی کر دیتے۔ بس یہی محبت ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی تم بڑے استاذ ہو۔ دونوں حضرات میں آپس میں بہت بے تکلفی پائی جاتی تھی۔

حجر اسود کسوٹی ہے:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حجر اسود کسوٹی ہے اس کو

چھونے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہوتی ہے اگر واقعی فطرتاً صالح ہے تو حج کے بعد اعمال صالحہ کا غلبہ ہوگا اور اگر فطرت طالع ہے، محض تصنع سے نیک بنا ہوا ہے تو حج کے بعد اعمال سیئہ کا غلبہ ہوگا۔ اس لئے حاجی کی حالت خطرناک ہے اور اس خطرہ کا علاج یہ ہے کہ حاجی زمانہ حج میں اللہ تعالیٰ سے اپنی اصلاح کی خوب دعا کرے اور دل سے اعمال صالحہ کے شوق کی دعا کرے اور حج کے بعد اعمال صالحہ کا خوب اہتمام کرے۔

اسلام کی محبت سے خاتمہ بالخیر:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک ہندو بنیا رہتا تھا اس کی دکان سے آپ کے یہاں سودا بھی آتا تھا۔ اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے خواب میں دیکھا کہ جنت میں گشت کر رہا ہے۔ پوچھا، لالہ جی! تم یہاں کیسے پہنچے؟ تم تو ہندو تھے بت کی پوجا کرتے تھے، جنت تو مسلمان کے لئے ہے۔ اس نے کہا، مولوی جی! آپ کی صحبت سے مجھے اسلام سے محبت ہوگئی پھر جب میں مرنے لگا تو لوگوں نے کہا، اُن کی ہی کہہ لے جان آسانی سے نکل جائے گی۔ اب تک فرشتے سامنے نہیں آئے تھے۔ میں نے دل میں کلمہ پڑھ لیا۔ پھر وہ قبول ہوگیا اور میں جنت میں پہنچ گیا۔

طلب صادق ہو تو ایسی:

ایک صاحب تھے دیوان جی ''اللہ دیا''۔ انہوں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا گنگوہ جا کر حضرت گنگوہی سے بیعت ہو جاؤ۔ عرض کیا، بہت اچھا۔ گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے پھر واپس دیوبند آئے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پھر بیعت کی درخواست کی۔

حضرتؒ نے فرمایا، میں نے تو تم سے کہا تھا کہ گنگوہ جا کر حضرتؒ گنگوہی سے بیعت ہو جاؤ۔ عرض کیا، میں بیعت ہو آیا ہوں اور جہاں جہاں آپ فرمائیں گے وہاں جا کر بیعت ہو آؤں گا۔ مگر دل سے تو آپ ہی سے بیعت ہوں گا۔ کیا ہی ٹھکانہ ہے اس تعلق و محبت کا۔ آخر حضرت نانوتویؒ نے اس کو بیعت فرما لیا۔ دیکھئے کیا لطیف ادب و اطاعت ہے۔

تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے پر افسوس:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ دیوبند کے جلسہء دستار بندی میں جب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر جا کر کھڑے ہوئے۔ مخلوق کے اژدھام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث باوجود عجلت کے جس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ جماعت میں شریک ہوئے تو قرأت شروع ہو گئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اداس سے تھے اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا۔ اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی۔

عاجزی و انکساری:

ارواح ثلاثہ میں مولانا امیر الدین صاحب کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ بھوپال سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ملازمت کی پیشکش ہوئی اور پانچ سو روپے تنخواہ مقرر کی گئی۔ جب آپ سے جانے کے لئے اصرار کیا گیا تو فرمایا وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ پھر کس بنا پر جاؤں گا۔ بہت اصرار کے باوجود تشریف نہیں

لے گئے۔

حصول علم کی ایک عجیب صورت:

ارواح ثلاثہ میں لکھا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حیدر آباد کے دونواب زادے پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حضرت کبھی کبھی ان سے پاؤں دبوایا کرتے تھے ایک بار فرمایا، مجھے تو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان سے پاؤں دبواؤں مگر علم اسی طرح آتا ہے۔

کھانے میں تواضع:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے طالبعلمی کے زمانہ میں مکان میں تنہا ایک جگہ رہتے تھے۔ روٹی کبھی پکوا لیتے تھے تو کئی کئی وقت تک کھا لیتے تھے۔

مطالعہ میں دلچسپی:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر محنتی تھے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹے بمشکل سونے کھانے اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوتے ہوں گے اور اس کے علاوہ سارا وقت ایسی حالت میں گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے اور خیال مضمون کی تہہ میں ڈوبا جاتا تھا۔ مطالعہ میں آپ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر نہ ہوتی۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ رات کھانا نہیں کھایا تھا۔ مدرسہ کو آتے جاتے آپ کبھی ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے، لپکے ہوئے جاتے تھے اور جھپٹے ہوئے آتے تھے۔

کلمہ طیبہ کی برکت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سہ دری میں ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا کر کنویں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کنویں کا پانی تو کڑوا نہیں بلکہ میٹھا ہے۔ میں نے وہ پیالہ پیش کیا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا، اچھا اس کو رکھ دو۔ نماز کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیبہ جس قدر ہو سکے پڑھو اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ بعد میں حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اس کے بعد پیالہ اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس پیالے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب الٰہی رفع ہو گیا۔

کمالِ استغنا:

ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد کے متصل حجرہ کے سامنے حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبدالکریم رئیس میرٹھی آپ سے ملنے کے لئے دیوبند آئے۔ حضرت نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رخ دوسری طرف پھیر لیا گویا کہ دیکھا ہی نہیں۔ وہ آ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے۔ جب انہیں کھڑے ہوئے بہت دیر گزر گئی تو حضرتؒ نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ آہا! شیخ صاحب ہیں، مزاج اچھا ہے۔ انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں میں ڈال دیا۔ حضرتؒ نے اسے قدموں سے الگ کر دیا۔ تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر منت سماجت کی کہ قبول فرمالیں۔ بالآخر

بہت سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرتؒ کی جوتیوں میں ڈال دیا۔ حضرت جب اٹھے تو نہایت استغنا کے ساتھ جوتے جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوار الحق سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی! ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور اہل دنیا بھی دنیا کماتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیا دار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے۔ یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم فرما دیا۔

تکلف سے اجتناب:

مولانا احمد حسن صاحب فرماتے ہیں کہ ایک جولاہے نے مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی۔ اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا خود اس جولاہے کے یہاں تشریف لئے گئے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت! چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لئے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا۔ مولانا نے فرمایا، انتظام کیا ہوتا ہے۔ تمہارے یہاں کچھ پکا بھی ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں، وہ تو موجود ہے۔ فرمایا کہ بس وہی کھالیں گے۔ چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ بخوشی تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا بس جی یہ تمہاری دعوت ہوگئی۔

قصہء ذہانت:

ایک انگریز حساب دان نے اشتہار دیا تھا کہ کوئی شخص مثلث کے زاویہ کو تین حصوں میں دلیل سے ثابت اور منقسم کر دے تو ڈیڑھ لاکھ روپے انعام ہے۔ اس پر مظفر نگر کے ایک جج صاحب نے بڑی کاوش اور محنت سے اس کو ثابت کیا اور کئی ماہرین ہندسہ نے جج صاحب کو مشورہ دیا کہ اس کو شائع کر دیں اور ڈیڑھ لاکھ

روپے کا انعام وصول کرلیں۔ مگر جج صاحب کا اصرار تھا کہ حضرت نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر ملاحظہ فرما کر تصدیق کردیں تو شائع کروں گا۔ اتفاق سے حضرت مظفرنگر تشریف لے گئے اور واپسی میں ریل پر سوار ہونے کے لئے جب اسٹیشن پر تشریف لائے تو گاڑی میں دس بارہ منٹ باقی تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے جو حضرت گنگوہیؒ کے بعد میں خاص خدام ہوگئے تھے۔ جج صاحب کی تمنا ظاہر کی۔ انہیں خیال تھا کہ حضرت اس تحریر کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ حضرت نے گاڑی کے انتظار میں کھڑے کھڑے سرسری نظر سے اسے دیکھا اور فرمایا کہ اس کا فلاں مقدمہ نظری ہے حالانکہ اقلیدس کے تمام مقدمات کی انتہا بدیہات پر ہوتی ہے۔ چونکہ وہ صاحب فن تھے فوراً سمجھ گئے اور اشتہار دینا ملتوی کردیا۔

بچپن کا ایک خواب:

آپ نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوں تو ان کے دادا نے جو خواب کی تعبیر کے ماہر تھے یہ تعبیر بتائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائیں گے اور بہت بڑے عالم ہوگے۔

کھیل میں سب سے اوّل:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے پڑھنے میں سب سے بڑھ کر رہتے تھے ہر کھیل میں خواہ ذہانت کا ہو خواہ محنت کا ہو سب سے اوّل اور غالب رہتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک کھیل جوڑ توڑ کے نام سے کھیلا جاتا تھا۔ بہت پرانے مشاق لوگ کھیلتے تھے جب کہ نئے کھیلنے والے مات کھا جاتے تھے۔ حضرت نے جب اس کا قاعدہ معلوم کرلیا تو پھر کسی سے مات نہ کھائی۔ بہت ہوا تو دونوں برابر ہوگئے۔ ہر کھیل میں جو مرتبہ کمال ہوتا تھا وہاں تک پہنچا کر اس کو چھوڑتے تھے۔

دین کا فیض جاری ہونے کی بشارت:

ایام طالب علمی میں آپ نے ایک اور خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے جسم سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اپنے استاذ حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں۔ لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی ہدیہ میں لا دیتا تو اس کے پہننے سے اجتناب کرتے۔ صرف اس لئے کہ سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کا رنگ سبز ہے۔ پھر ایسے رنگ کے جوتے پاؤں میں کیونکر استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''تمام عمر سبز رنگ کا جوتا اس وجہ سے نہ پہنا کہ قبر مبارک سبز رنگ کی ہے اور اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو آگے کسی دوسرے کو دے دیا''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے ننگے پاؤں چلنا شروع کر دیا۔ آپ کے ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ جوتا پہن کر چلیں۔ حالانکہ وہاں سخت نوکیلے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، جناب مولانا حکیم منصور علی خانؒ صاحب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں جو اس سفر حج میں حضرت نانوتویؒ کے رفیق سفر تھے کہ

''مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل پہلے سے شب تاریک میں اسی طرح

چل کر پاؤں برہنہ پہنچ گئے"

اسلام کا بول بولا:

شاہجہاں پور میں اہل اسلام اور مختلف باطل فرقوں کا مناظرہ اور مباحثہ طے ہوا۔ جس میں ہندوؤں کے بہت سے رہنما اور اہل اسلام کی طرف سے متعدد علمائے حق اور مشاہیر اس وقت اس مقام پر موجود تھے۔ مگر مناظرہ پادریوں اور مسلمانوں کا ہوا۔ اس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مناظر تھے۔ انہوں نے عقلی ونقلی رنگ میں ایسی صحیح اور قطعی دلیلیں پیش فرمائیں کہ پادری صاحبان سے ان کا کوئی معقول جواب ہی نہ بن پڑا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

آریہ سماج کے فتنے کا تدارک:

انگریزوں کے چہیتے، ہندوؤں اور آریاؤں کے کرتا دھرتا سوامی دیانند جو اپنے منطقیانہ اور فسلفیانہ دلائل میں مشہور تھا۔ اس نے اپنی ایک کتاب میں قرآن کریم کی بسم اللہ سے لے کر والناس تک کی تمام سورتوں پر اعتراضات کئے اور ان کی کمی و خامی بتلائی ہے۔ (العیاذ باللہ) وہ ہر مقام پر اہل اسلام کو جواب کے لئے للکارتا تھا۔ چنانچہ اپنا تبلیغی دورہ کرتا ہوا رڑکی جا پہنچا۔ وہاں اسلام کے خلاف دل کھول کر زہر اگلتا رہا۔ اس کے اعتراضات کے جواب حضرت شیخ الہند اور مولانا حافظ عبدالعدل صاحبؒ نے کئی روز سر بازار دیئے اور پنڈت جی اور ان کے حواریوں کو غیرت دلائی۔ ان کے مذہب پر اعتراضات کئے کہ اب جواب دو۔ مگر پنڈت جی اور ان کے شاگردوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ ان کو ایسا سانپ سونگھ گیا کہ وہ ملنے سے ہی رہے۔ آخر حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ اچھا پنڈت جی بمع اپنے شاگردوں اور معتقدوں کے میرا وعظ ہی سن لیں۔ مگر وہ وعظ میں تو کیا آتے رڑکی

سے بھی چل دیئے اور ایسے گئے کہ پتہ بھی نہ چلا۔ بالآخر حضرت نے تین روز تک برسر بازار وعظ فرمایا۔ وہ دلائل مذہب اسلام کے حق ہونے پر بیان فرمائے کہ سب حیران تھے۔ اہل جلسہ پر سکتہ کا عالم تھا۔ ہر شخص متاثر معلوم ہوتا تھا۔ پنڈت جی کے اعتراضات کے وہ دندان شکن جوابات دیئے کہ مخالف بھی مان گئے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سعادت ضلع سہارنپور کے قصبہ گنگوہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام مولانا ہدایت احمد ہے اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اور عربی و فارسی کی تعلیم گنگوہ میں ہی حاصل کی۔ ۱۲۶۱ھ میں دہلی میں کا سفر کیا اور مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی پہنچ چکے تھے، یوں علم وفضل کے یہ دونوں شمس وقمر اکٹھے ہو گئے اور تا حیات ایک ساتھ رہے۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان دونوں سے خاص محبت تھی۔ ذہانت و ذکاوت میں یہ دونوں حضرات دہلی میں مشہور ہو گئے۔ علم حدیث آپ نے خاندان ولی اللہی کے آخری چشم و چراغ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ 21 سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم وفنون میں تعلیم مکمل کر لی اور وطن واپس ہوئے۔

ایک مرتبہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے دل میں بیعت کا ارادہ بن گیا۔ حضرت سے درخواست

کی تو انہوں نے پہلے تو انکار فرمایا بعد ازاں حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر بیعت کر لیا۔ بیعت کے بعد ذکر و شغل شروع کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "پھر تو میں مر مٹا"۔ حضرت حاجی صاحب نے آٹھویں دن ہی بلا کر فرمایا

''رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ میں نے آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے''

بیالیس دن حضرت کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ نے وطن واپسی کی اجازت چاہی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت اور اجازت بیعت دے کر رخصت کیا۔ گنگوہ واپس آ کر آپ نے خانقاہ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جو تین سو سال سے ویران اور خستہ حال پڑی تھی مرمت کر کے آباد کیا۔ آپ رات دن ذکر و فکر میں مشغول رہتے، راتوں کو رویا کرتے تھے اور جو لحاف آپ اوڑھا کرتے تھے باران اشک سے داغدار ہو جاتا۔

آپ اپنے وقت کے فقہ و حدیث کے امام تھے۔ آپ کے علمی و روحانی کمالات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ کے فیض صحبت سے شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نیر اعظم ہوئے ہیں۔

جب 1857ء کی جنگ آزادی کا واقعہ پیش آیا تو حکومت برطانیہ نے آپ کو بھی شبہ میں گرفتار کر لیا لیکن کوئی ثبوت نہ ملنے پر رہا کر دیا چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کا کام لینا تھا اس لئے حکومت آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔ آپ نے تمام عمر دین کی خدمت میں گزاری۔ فتاویٰ رشیدیہ آپ کا علمی شاہکار ہے اور بھی کئی تصانیف لکھیں اور ہزاروں علماء و مشائخ آپ کے فیض علمی اور روحانی سے مستفید ہوئے۔ 9 جمادی الثانی 1323ھ مطابق 11 اگست

1905ء کو واصل بحق ہوئے۔

صحبت کی برکت:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی کیوں نہ ہو جونہی آپ کی صحبت میں بیٹھتے قلب میں ایک خاص قسم کا سکون اور ایسی جمعیت حاصل ہوتی کہ سب کدورتیں رفع ہو جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کے تمام مریدوں میں عقائد کی درستگی اور دین کی پختگی خصوصاً حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا بدرجہ کمال مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ یہ سب برکت آپ کی صحبت ہی کی تھی۔

کسر نفسی اور اس کی وضاحت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ قسم کھائی کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے محض احباب کا حسن ظن ہے جو میرے ساتھ ہے۔ بعض مخلص لوگوں کو اس میں شک ہوگا کہ حضرت میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے لیکن اس قول سے آپ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی۔ پس حضرت نے اپنے کمالات موجودہ کو کمالات آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں وہ لکھ پتیوں کے سامنے مالدار نہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ کی بڑی عظیم الشان اور بے مثال درگاہ ہے۔ یہاں سے جو کچھ عطا ہو آگے کی ہوس کرنا چاہئے۔ کسی ایک مقام پر بس نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر مقام سے زیادہ قرب کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور جدوجہد نہ چھوڑنی چاہئے کیونکہ اس کے خزانہ میں کمی نہیں

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

بادشاہوں جیسی شان:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شان تھی کہ کوئی بھی پاس بیٹھا ہوتا آپ اشراق یا چاشت کا وقت آنے پر وضو کر کے وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ کہہ کر اٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوں یا اٹھنے کی اجازت لیں۔ جہاں کھانے کا وقت آیا عصا لیا اور چل دیئے چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو۔ بادشاہوں کی سی شان تھی۔ اول تو بات ہی کم کرتے تھے اور اگر کچھ مختصر سی بات کہنی ہوتی تو جلدی سے ختم کر کے تسبیح لے کر ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ کسی نے کوئی بات پوچھی تو جواب دے دیا اور اگر نہ پوچھی تو کوئی گھنٹوں بیٹھا رہے آپ خاموش رہتے

دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا:

ایک بار حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ایک بات پر بڑا رشک آیا ہے کہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے۔ ہماری نظر ایسی نہیں۔ بولے، جی ہاں! ہمیں کچھ جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے کبھی آپ پر رشک ہی نہیں کیا۔ اس طرح کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ انہیں اپنے سے بڑا سمجھتے اور یہ انہیں بڑا سمجھتے۔

تصوف کا حاصل:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم کو پہلے سے خبر ہوتی کہ تصوف میں اخیر کیا چیز حاصل ہوتی ہے تو میاں ہم کچھ بھی نہ کرتے۔ مدتوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس کے لئے اتنے مجاہدات و ریاضت کئے تھے وہ ذرا سی بات تھی۔

حضرتؒ نے تو عالی ظرفی کی وجہ سے اس ذرا سی بات کو نہیں بتلایا میں اپنی کم ظرفی کی وجہ سے بتلاتا ہوں کہ وہ ذرا سی چیز کیا ہے جس کے حاصل ہونے کے لئے اتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ وہ یہی ہے کہ یہ تبدیلی تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور تعلق مع اللہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور تعلق مع اللہ کو بڑھانے والی ہے

گناہ ہو جائے تو توبہ کرلو:

حضرت حاجی ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے۔ ان کے یہاں ایک مرتبہ چوری ہوگئی۔ ان صاحب کا رئیسانہ مزاج تھا مگر اہل نسبت تھے۔ ان کے سامنے کسی نے ایک جولاہے کا نام لے دیا۔ وہ غازی تھا مگر کم وقعت تھا۔ ان صاحب نے اس کو بلایا، وہ ڈر گیا اور باتیں دریافت کرتے وقت خوف کی وجہ سے اس کے کلام میں لغزش ہوئی۔ اس وجہ سے اس پر کچھ شبہ ہوا اور ان صاحب نے اس کو مارا۔ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حقیقت حال بتائی۔ حضرت کو بہت ناگوار گزرا۔ آپؒ نے ان صاحب کو رقعہ لکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ سے سوال کریں کہ آپ نے اس غریب کو کس حجت شرعیہ سے مارا تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ اس جواب کو آپ تیار کرلیں۔

اس رقعہ کو پڑھ کر ان صاحب کا سر سے پاؤں تک سناٹا نکل گیا۔ پس گنگوہ پیدل پہنچے۔ حضرت اس وقت حجرے میں لیٹے تھے۔ باہر ایک طالبعلم بیٹھے تھے۔ ان صاحب نے اس طالب علم سے کہا کہ حضرت کو اطلاع کردو کہ ایک ناپاک کتا آیا ہے اگر منہ دکھانے کے قابل ہو تو منہ دکھائے ورنہ کسی کنوئیں میں ڈوب مرے تاکہ یہ عالم پاک ہو۔ طالب علم نے اطلاع کی۔ حضرت نے بلالیا۔ ان صاحب نے کہا، حضرت! میں تو تباہ ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا، کیوں قصہ پھیلایا ہے؟ گناہ ہوگیا ہے تو توبہ کرلو یہی علاج ہے۔

توسل کا مسئلہ:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے توسل کے مسئلہ میں اشکال تھا۔ اس کو حل کرنے کے لئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی نہ رہی تھی۔ سلام کے بعد میں نے اس خیال سے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کی آواز سے مجھے پہچان لیا ہوگا عرض کیا کہ توسل کے مسئلہ میں کچھ پوچھنا ہے۔ فرمایا کہ کون پوچھتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اشرف علی۔ فرمایا کہ تعجب ہے۔ بس اتنی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور تھانہ بھون واپس آ گیا۔ مگر اس مسئلہ میں ایسا شرح صدر ہوا کہ کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ تصنیف کیا اس میں مسئلہ توسل کو خوب شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پائیدار دوستی کی علامت:

آج کل دوستی کا نام ہی رہ گیا ہے۔ ورنہ حقیقت تو قریب قریب مفقود ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحبؒ حاضر تھے۔ جن کی دوستی مشہور ومعروف تھی۔ حضرتؒ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کبھی تم میں اور ان میں لڑائی بھی ہوئی ہے۔ عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی ہو جاتی ہے۔ فرمایا یہ دوستی پائیدار ہے۔ درخت وہ مستحکم ہوتا ہے کہ جس پر آندھی آ چکی ہو پھر اپنی جڑوں کو نہ چھوڑا ہو۔ بس دوستی بھی وہی ہے کہ باہم لڑائی بھی ہو جائے اور پھر تعلقات بھی باقی رہیں۔

حبِ جاہ کا نقصان:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شیخ اور مرید کا قصہ سنایا کہ مرید بہت عبادت و

ریاضت کرتا تھا۔ مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ شیخ نے بہت وظائف تبدیل کئے اور تدبیریں اختیار کیں لیکن اس کے باطنی حالات درست ہوتے نظر نہ آئے۔ پھر ایک تدبیر کی جو حب جاہ اور ظاہری عزت کے خلاف تھی۔ وہ یہ کام نہ کر سکا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ طالب جاہ تھا۔ یہی طلب جاہ اس کے راستے کی رکاوٹ بن گئی تھی۔

بے ادبی تصوف میں رہزن ہے:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ایک عالم حضرت میاں نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کچھ گستاخانہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ آخر کار تنبیہ ہوئی۔ انہوں نے توبہ کی اور حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد تنہائی میں ان سے فرمایا کہ میاں اس طریق کی بنیاد اخلاص پر ہے۔ اس لئے تم سے بات چھپانا نہیں چاہتا۔ بات یہ ہے کہ جب میں تمہاری طرف متوجہ ہوتا ہوں تو تمہارے وہ سب کلمات جو تم نے پہلے کہے تھے میرے سامنے آ کر حائل ہو جاتے ہیں۔ ہر چند تمہیں نفع پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس کی صورت نہیں بنتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور سے بیعت کر لو۔ میں تمہاری سفارش کر دوں گا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان کے نزدیک یہ کوئی حسد و کینہ نہیں بلکہ غیر اختیاری امر ہوتا ہے۔ جس کا انسان مکلف نہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ کو مسلمان ہونے کے بعد ہدایت فرمائی کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔ وہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔

صاحب کشف کو دعا سے عار:

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حج کی غرض سے جس جہاز

میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سوار تھے اس میں ایک شخص اور بھی سوار تھا جو کئی مرتبہ پہلے بھی حج کو گیا تھا مگر اس کو حج نصیب نہ ہوا تھا۔ وہ شخص جہاز میں سوار تو ہو گیا مگر خبر ملی کہ حج کا وقت آخر ہو گیا ہے۔ اگر جہاز نے راستے میں پڑاؤ کیا تو وقت پر نہ پہنچ سکے گا۔ یہ سن کر وہ شخص وہیں اتر پڑا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حج ضرور مل جائے گا۔ مگر وہ شخص پھر بھی دوبارہ سوار نہ ہوا۔ کسی نے کہا اس کے لئے دعا فرمائیں کہ اس کو بھی حج کی توفیق نصیب ہو جائے۔ فرمایا، جی نہیں چاہتا اور دعا نہ فرمائی۔ جب جہاز کامران کے قریب پہنچا تو لوگوں نے جہاز کے کپتان سے کہا کہ اگر جہاز کامران میں کھڑا کیا تو ہم تم کو قتل کر دیں گے اور چھرا نکال کر خوب ڈرایا۔ کپتان نے ڈر کر جہاز سیدھا جدہ جا کر لگایا۔ کپتان پر اس وجہ سے کئی ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ حجاج کو اتار دیا گیا کہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس جہاز میں نہ آتے تو اہل جہاز میں سے کسی کو بھی حج نصیب نہ ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کا مقام:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مرض موت میں مبتلا ہوئے تو بتقضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد ہوا۔ چنانچہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کس لئے فکر مند ہو جیسی تمہاری اولاد ویسی ہی میری اولاد۔ چنانچہ آنکھ کھلنے پر آپ کو اطمینان نصیب ہو گیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبے پر پہنچی اور تمام بیٹے بڑے صاحب کمال ہوئے۔

صبر ہو تو ایسا:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ لوگ تعزیت کے

لئے آتے تو چپ بیٹھے رہتے کہ کیا کہیں؟ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے، کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا کہتے؟ اگر کہتے رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت تھی؟ اگر کہتے صبر کیجئے تو وہ خود صبر کئے بیٹھے تھے۔ آخر ہر جملہ خبریہ کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہونی چاہئے۔ بڑی دیر کے بعد آخر ایک نے ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر سارا مجمع چپ ہو گیا۔ لوگ آتے تھے اور چپ ہو کر بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا صدمہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہو گیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی ذکر کر دے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا۔ اب میں متحیر تھا کہ کیا کہوں؟ آخر چپ ہو کر بیٹھ رہا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر اتنے بڑے صدمات پڑے لیکن کیا مجال کہ کسی معمول میں ذرا سا فرق آ جائے۔ چاشت، تہجد، اوابین، کوئی معمول قضا تو کیا کبھی مؤخر بھی نہیں ہونے پایا۔ یہاں تک کہ کھانا سامنے آیا تو اسے بھی اللہ کی نعمت سمجھ کر کھا لیا۔ یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا کہ چہرہ سے، نہ زبان سے، وہی معمولات وہی اذکار، وہی تعلیم و تلقین۔ کسی معمول میں ذرا فرق نہیں آتا تھا۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے۔ انسان کو وہ استقامت بن جاتا ہے۔

مساکین کا تبرک:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ جب تندرست ہوئے تو آپ کے صاحبزادے نے شکریہ میں بہت سے لوگوں کی دعوت کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھا چکیں تو ان کے سامنے کا بچا ہوا کھانا میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤں گا اور یہ خیال نہ کرنا کہ ان کا بدن صاف نہیں، ان کے کپڑے صاف نہیں اور اس کو تبرک اس لئے قرار د

کہ وہ لوگ مومن ہیں ، خدا کے محبوب ہیں ، حدیث میں آیا ہے یا عائشۃ قربی المسکین ۔ چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اسے رغبت سے کھا لیا۔اس سے ان کی تواضع اور اتباع سنت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

تواضع:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک بڑے عہدیدار شخص مہمان آئے ۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرتؒ نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا ۔ چونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے اس کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے ہٹے ۔ حضرت نے فرمایا، صاحبو! آپ لوگ کیوں ہٹ گئے کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدیدار میرے ساتھ بیٹھا ہے ۔ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں میں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے ان کی کچھ بھی وقعت نہیں چنانچہ سب غریب طلبا کو بھی ساتھ بٹھلا کر کھانا کھلایا۔

ایک مرتبہ حضرت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے ۔ ابر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں ۔ جس قدر طالب علم شریک درس تھے سب کتابوں کی حفاظت کے لئے کتابیں اٹھا کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی ۔ پھر کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے ۔ صحن کی طرف رخ کیا تو دیکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب کے جوتے جمع کر کے لا رہے ہیں ۔ طلبا نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا، جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟

ایک ڈاکو کی حکایت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ڈاکو کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ کسی بستی میں

لب دریا اپنا بھیس بدل کر جھونپڑی ڈال کر اللہ اللہ کرنے لگا۔ لوگوں کو اس سے عقیدت ہوئی اور اس کے پاس آنے لگے۔ بعضے مرید ہو کر وہیں ذکر و شغل میں مصروف ہو گئے۔ اللہ کی قدرت کہ بعضے ان میں صاحب مقام بھی ہو گئے۔ ایک دن ان پیر صاحب کے بعض مرید مراقب ہوئے کے دیکھیں اپنے پیر کا مقام کیا ہے؟ مگر وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ ہر چند مراقبہ کیا مگر کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ ناچار ہو کر اپنے شیخ سے کہا۔ شیخ میں چونکہ ذکر اللہ کی برکت سے صدق کی شان پیدا ہو چکی تھی اس نے سب قصہ صاف کہہ دیا کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ ایک ڈاکو ہوں۔ سب نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو بھی صاحب مقام بنا دیا۔

بیعت ہونے کی برکت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا آدمی مرید ہونے کے لئے آیا۔ حضرتؒ نے کلمات بیعت پڑھا دیئے۔ جن کا حاصل معاصی سے توبہ ہے۔ جب توبہ کر لی تو کہتا ہے، مولوی جی! افیون سے تو توبہ کرائی نہیں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، مجھے کیا خبر کہ تو افیم کھاتا ہے۔ اچھا یہ بتلا کہ کتنی کھاتا ہے؟ جس قدر کھاتا ہے میرے ہاتھ پر رکھ دے۔ مگر اس نے جیب سے افیون کی ڈلی نکال کر دور پھینکی کہ مولوی جی! توبہ ہی جب کر لی تو اب کیا کھائیں گے؟ گھر گیا تو دست شروع ہو گئے۔ اس کی خبر حضرت گنگوہیؒ کو پہنچی۔ مرتے مرتے بچا مگر اچھا ہو گیا۔ تندرست ہو کر دوبارہ حضرتؒ کی خدمت میں آیا۔ حضرتؒ نے پوچھا کون؟ کہا میں ہوں افیون کھانے والا۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد دو روپے پیش کئے۔ حضرت نے کسی قدر عذر کے بعد دلجوئی کے لئے قبول فرما لئے۔ وہ دیہاتی نوجوان کہنے لگا، اجی مولوی جی! یہ تو آپ نے پوچھا ہی نہیں یہ کیسے روپے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا، بھائی! خود ہی بتلا دو۔ کہنے لگا، یہ روپے افیون کے ہیں۔ حضرتؒ نے پوچھا،

افیون کے کیسے؟ کہا کہ دو روپے کی افیون مہینہ میں کھاتا تھا جب توبہ کرلی تو نفس بڑا خوش ہوا کہ دو روپے ماہوار بچت ہوگی۔ مگر میں نے نفس سے کہا کہ یاد رکھ تیرے پاس یہ رقم نہ چھوڑوں گا۔ بلکہ توبہ کے وقت ہی نیت کرلی تھی کہ جتنے روپوں کی افیون کھاتا تھا وہ روپے حضرت کو دیا کروں گا۔ یہ بیعت کی برکت ہے کہ ایک دیہاتی شخص کو دین کی سمجھ ایسی آئی کہ دین دنیا کی آمیزش کو سمجھ گیا۔

شیخ کی معرفت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میرے ایک مرید کو ہٹا دے تو فی مرید ایک آنہ اور مولوی کو ہٹانے پر فی مولوی چار آنے لے لے۔ غرض یہ تھی کہ جو شخص نادان ہے اس کو شیخ سے بھی برائے نام محبت ہوگی۔ نادان کی دوستی رہ نہیں سکتی وہ معمولی بات کو بھی بزرگی کے خلاف سمجھے گا اور غیر معتقد ہوجائے گا۔ اس کی نظر جہل کے سبب عیوب کی طرف زیادہ ہوگی اور کمالات کو تو وہ جانتا ہی نہیں۔ ان پر تو اس کی نظر کیا ہوتی سچی محبت اسی کو ہوگی جس کو شیخ کی معرفت ہوگی اور شیخ کی معرفت اس کی اتباع سے ہوگی۔

چیلہ اور گرو بننے کی تمنا:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، آج کل لوگ مرید نہیں بنتے، گرو بنتے ہیں۔ فرمایا، ایک شخص ایک گرو کے پاس گیا اور کہا مجھے اپنا چیلہ بنالو۔ اس نے کہا چیلہ بننا بڑا مشکل ہے تو اس نے کہا پھر گرو ہی بنالو۔

سادگی:

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدل سفر کرکے اس وقت گنگوہ پہنچے کہ جماعت کھڑی ہوچکی تھی۔ اور نماز شروع ہونے کو تھی۔ لوگوں نے دیکھ

کر خوشی میں کہا، مولانا آ گئے، مولانا آ گئے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مصلے پر پہنچ چکے تھے یہ سن کر نگاہ اٹھا کر مولانا کو دیکھا تو مصلے سے واپس آ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے نماز پڑھانے کے لئے فرمایا۔ مولانا سیدھے مصلے پر پہنچے، چونکہ پیدل سفر کر کے تشریف لائے تھے اس لئے پاجامہ کے پائنچے چڑھے ہوئے تھے اور پاؤں گرد آلود تھے۔ جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ پر پہنچے تو حضرتؒ نے صف میں سے آگے بڑھ کر اپنے رومال کے ساتھ پہلے ان کے پاؤں کی گرد صاف کی پھر پائنچے اتارے اور فرمایا، اب نماز پڑھایئے اور خود واپس آ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں کسی سے فرمایا کہ مجھے اس سے بے حد مسرت ہوئی کہ مولانا نے انکار نہیں فرمایا بلکہ میری درخواست قبول فرمالی۔

دین و دنیا کا نقصان:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرید نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے روشنی نظر آتی ہے اور اس میں سنہری حروف سے کچھ لکھا ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا، تم علاج کراؤ اور ذکر و شغل وغیرہ چھوڑ دو، تمہارے دماغ میں خشکی ہے اور یہ مقدمہ ہے جنون کا۔ اس نے کہنا نہ مانا، نہ علاج کرایا اور نہ کام کو چھوڑا۔ آخر خشکی بڑھی اور جنون ہو گیا بلکہ برہنہ مارے مارے پھرتے تھے۔ نہ نماز رہی نہ روزہ۔ حضرت نے ان کو وصیت فرمائی تھی کہ کھایا پیا کرو اس سے قوت آئے گی اور یہ فرمایا تھا، دیکھو! حدیث میں آیا ہے کہ

المومن القوی خیر من المومن الضعیف و فی کل خیر

(یعنی مومن قوی، مومن ضعیف سے بہتر ہے اور ہر ایک میں خیر ہے)

نماز میں گریہ وزاری:

حق تعالیٰ کی عظمت اور جلالت شان چونکہ آپ کی رگ رگ میں پیوست تھی اس لئے آپ جب اپنے آقا و مالک حقیقی کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرأت قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہوجاتا اور پڑھتے پڑھتے رک جاتے تھے۔ سسکیاں آپ کا حلق تھام لیتی تھیں اور آہ و بکا پر مجبور کرنے والی حالت آپ کو ساکت وصامت بنادیا کرتی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہتے اور مصلے پر موتیوں کی طرح گرتے۔ مولوی عبدالرحمان صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ شریف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے۔ ایک شب آپ نے تراویح شروع کی میں بھی جماعت میں شریک تھا۔ قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف وخشیت دلایا گیا تھا۔ حالانکہ جماعت میں نصف سے کم لوگ عربی زبان سمجھنے والے تھے اور باقی سب ناواقف تھے۔ مگر آپ کی قرأت سے اس رکوع کی خشیت کا اثر سب پر پڑ رہا تھا۔ کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ طاری تھا۔ اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اس میں رحمت خداوندی کا بیان تھا۔ اس وقت دفعتاً تمام جماعت پر سرور طاری ہوگیا اور پہلی حالت یکلخت تبدیل ہوگئی خشیت والی کیفیت انس میں بدل گئی۔

نماز قضا کرنا گوارا نہ کیا:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اخیر عمر میں آنکھوں میں نزول آب ہوگیا تھا۔ خدام نے آنکھ بنوانے پر اصرار کیا مگر آپ نے انکار فرمادیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت کی کوئی نماز قضا نہ ہونے دوں گا۔ فجر اول وقت اور ظہر آخر وقت میں

پڑھ لیں البتہ چند روز تک سجدہ زمین پر نہ فرمائیں بلکہ اونچا تکیہ رکھ کر اس پر کرلیں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ چند دن کی نمازیں تو بہت ہوتی ہیں ایک سجدہ بھی اس طرح کرنا گوارا نہیں۔

ریاضت وعجاہدہ:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضت ومجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھاتے تھے۔ چنانچہ اس پیرانہ سالی میں، جب کہ آپ ستر سال کی عمر سے متجاوز ہو گئے تھے، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور بعد مغرب 20 رکعت صلوۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے۔ جس میں اندازاً دو پارے سے کم تلاوت نہیں ہوتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ رکوع اور سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والوں کو سہو کا گمان ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر مکان تک آنے جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھہرنے میں کئی پارے تلاوت کرلیا کرتے تھے۔

مرشد کی جانب سے ایک امتحان:

تھانہ بھون کے قیام کے دوران حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے صبر وتحمل اور ضبط کا امتحان لیا۔ جس کے متعلق حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گزرے تو میری غیرت نے حضرت حاجی صاحبؒ پر کھانے کا بوجھ ڈالنا گوارا نہ کیا۔ آخر میں نے یہ سوچ کر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا بھی دشوار اور ناگوار ہوگا۔ رخصت چاہی مگر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت نہ دی اور فرمایا، کہ چند روز اور ٹھہرو۔ میں خاموش ہو گیا۔ قیام کا قصد تو کرلیا مگر اس کے ساتھ یہ فکر ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حاجی صاحبؒ مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع

ہو کر فرمایا، میاں رشید احمد! کھانے کی فکر مت کرنا۔ ہمارے ساتھ کھائیو۔ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں نہایت لذیذ کوفتے تھے اور دوسرے پیالے میں معمولی سالن تھا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دسترخوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور ہی رکھا۔ اتنے میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا دیکھ کر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے، اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے۔ حاجی صاحب نے جواب دیا، اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو چاہتا تھا کہ چوڑھوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا۔ اس فقرہ پر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے چہرے پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمدللہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ آپ فرما رہے ہیں سچ ہے۔ اس دربار کی روٹی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے، جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے کبھی امتحان نہ لیا۔

کسی کے لئے کبھی بددعا نہ کی:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک صاحب سے تکلیف پہنچی اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس احتمال سے کہ کہیں حضرت بددعا نہ کر دیں۔ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! بددعا نہ کیجئے گا۔ اس پر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا توبہ توبہ مسلمان کے لئے کہیں بددعا بھی کیا کرتے ہیں۔ استغفراللہ!!!

عاجزی وانکساری:

ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام بدن دبا رہے تھے کہ ایک بے

تکلف دیہاتی نے سوال کیا۔ کہ مولوی جی آپ تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہونگے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں۔ فرمایا، بھائی جی! جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے لیکن الحمدللہ بڑائی دل میں نہیں آتی۔ یہ دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹے ہیں اور خدمت کر رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ دیہاتی بولا، اجی مولوی جی! اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ حرج نہیں۔ اس دیہاتی نے صحیح نتیجہ اخذ کرلیا۔

کسب حلال کے لئے کوشش:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ زمانہ طالب علمی کے بعد اپنا بار کسی دوسرے پر ڈالنا نہیں چاہتے تھے کہ اسی دوران میں ایک جگہ سے قرآن شریف کے ترجمہ پڑھانے کی ملازمت سات روپے میں آئی۔ آپ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت چاہی۔ انہوں نے منع فرمادیا۔ اور کہا کہ اس کو منظور نہ کرو اور زیادہ کی آوے گی۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ سہارنپور کے رئیس نواب شائستہ خان نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے دس روپے تنخواہ پر بلایا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تو دنیا کی نگاہ میں بہت اونچے تھے مگر اپنی نگاہ میں چھوٹے تھے۔ اس لئے دس روپوں کو اپنے حیثیت سے زیادہ سمجھ کر قبول کرلیا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو فرمایا، اگر صبر کرتے تو اور زیادہ کی آتی۔ آپ نے چھ ماہ یہ ملازمت اختیار فرمائی تاکہ کسب حلال کا فریضہ بھی ادا ہوجائے اور بعد والوں کے لئے تعلیم پر اجرت لینے کا راستہ بھی کھل جائے۔

تواضع اور مروت:

ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کے لئے ایک عالم مولوی

وہاج الدین صاحب رائے پور آئے۔ رات زیادہ ہو چکی تھی۔ سفر کی تکان بہت تھی۔ ایک طرف لیٹ کر سو گئے۔ ذرا دیر بعد آنکھ کھلی دیکھا تو ایک شخص پائنتی پر بیٹھا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے۔ اول تو یہ سمجھے کہ شاید حضرتؒ نے کسی خادم کو بھیج دیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرتؒ ہیں۔ یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چارپائی سے نیچے آئے کہ حضرت! یہ کیا غضب کیا؟ فرمایا، بھائی! اس میں حرج کیا ہے، آپ کو تکان ہو گیا تھا بس آپ لیٹے رہئے، آرام مل جائے گا۔ انہوں نے کہا، بس حضرت! معاف فرمایئے، باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں۔

حضرت کا رعب:

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک کلکٹر گنگوہ آیا اور کسی سے یہ خواہش ظاہر کی کہ شاملی کے میدان میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کیا، میں ان کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنے بنگلہ سے چلا ادھر حضرت اپنی سہ دری سے اٹھ کر کمرہ میں تشریف لے گئے اور کواڑ بند کر لئے۔ کلکٹر آیا اور کچھ دیر سہ دری میں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر چلا گیا۔ تب حضرت حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ کچھ مدت کے بعد پھر وہی کلکٹر گنگوہ آیا۔ بعض خدام نے عرض کیا کہ حکومت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بہت بدظن ہے، حضرت! کلکٹر سے ملاقات فرمالیں تو دارالعلوم کے لئے مفید ہے اور خطرات سے حفاظت کی توقع ہے۔ فرمایا، بہت اچھا۔ پالکی میں سوار ہوئے اور کلکٹر کے بنگلہ پر تشریف لے گئے۔ علمائے عصر بھی اس پالکی کو اٹھا کر لے جانے والے تھے۔ جب پالکی بنگلہ پر پہنچی تو کلکٹر خود ہی بنگلہ سے باہر آیا۔ سامنے آکر مصافحہ کے لئے خود ہی ہاتھ بڑھایا۔ حضرت قدس سرہ نے بھی مصافحہ فرمایا۔ مگر نگاہ نیچی رکھی، اوپر نہیں اٹھائی اور اس کی صورت نہیں دیکھی۔ کلکٹر نے کہا کہ ہمیں کچھ

نصیحت کرو۔ حضرت نے فرمایا کہ انصاف کرو اور مخلوق خدا پر رحم کرو۔ یہ کہہ کر پالکی میں سوار ہوئے اور واپس تشریف لے آئے۔ کلکٹر نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون آدمی تھا؟ ہمارا دل اس کو دیکھ کر کانپ رہا تھا۔ اس کو بتلایا گیا کہ یہ وہی مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں جن کی زیارت کا آپ کو شوق تھا۔

اتباعِ سنت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کی اتباع سنت ضرب المثل ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے۔ دیکھیں حضرت ان دونوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں، لوگوں نے اس کا اندازہ کیا۔ جب حضرت مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر جوتے پر رکھا پھر سیدھا پاؤں نکالا تو جوتے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد بائیں پاؤں میں جوتا پہنا۔

حساس طبیعت:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ آپ تمام حواس کے اعتبار سے نہایت ذکی تھے۔ بیسیوں تعجب انگیز قصے آپ کے کمال ادراک کے مشہور ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب فرماتے تھے کہ مجھے چائے کا بہت شوق تھا اور اپنے ہاتھ سے پکایا کرتا تھا۔ حضرت نے جب بھی چائے پی تو فرمایا، چائے میں کچے پانی کا ذائقہ آتا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے ایک روز دل میں کہا کہ اچھا، آج اس قدر پکاؤں گا کہ پانی بھاپ بن جائے۔ چنانچہ کئی گھنٹے تک پکا کر تیار ہوئی اور حضرت کو پلائی تو فرمایا کہ کچے پانی کا ذائقہ اس میں بھی ہے۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! یہ وہم کا درجہ ہے۔ پھر خیال ہوا کہ اس میں کچھ دودھ گھر سے لا کر ڈالا تھا جو ابلا ہوا تھا۔ پوچھ کر آتا ہوں کہ کہیں اس میں تو پانی نہیں تھا۔

آخر گھر جا کر معلوم ہوا کہ گھر کے لوگوں نے اس میں کچھ پانی ڈال دیا تھا۔

جن ایام میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی حضرت کے لئے چائے پکایا کرتے تھے، کئی دن ایسا قصہ پیش آیا کہ جب حضرت کو چائے پلائی، حضرت نے فرمایا کچے پانی کی بو آتی ہے۔ ہر چند مولوی صاحب نے چائے کو جوش دینے کی کوشش کی مگر ہر دفعہ حضرت نے یہی فرمایا کہ کچے پانی کی بو آتی ہے۔ آخر بڑے پریشان ہوئے کہ بات کیا ہے؟ پانی کو بہت پکاتا ہوں پانی ابال کر ڈالتا ہوں پھر کچا پانی کیسا؟ آخر بہت غور کے بعد پتہ چلا کہ جس پیالی میں چائے ڈالی جاتی ہے اس کو دھو کر خشک نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اگلے دن پیالی کو دھو کر خشک کر کے چائے ڈالی اور حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے چائے پی اور فرمایا آج کچے پانی کی بو نہیں ہے۔

حضرت کے مہمان سہ دری میں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ فراغت پر دستر خوان اٹھا کر بوریہ بستر جھاڑ دیا جاتا تھا۔ مگر حضرت تشریف لاتے تو جو کھانا کھایا جا چکا ہوتا تھا اس کا نام لے کر فرماتے کہ فلاں کی خوشبو ہے۔ ایک مرتبہ کھانا کھاتے ہوئے فرمایا، اس میں کو تھمیر کی خوشبو آتی ہے۔ ہر چند غور کیا مگر مجمع میں سے کسی کو احساس نہ ہوا۔ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ پکتی ہوئی ہنڈیا میں چار پانچ پتے ڈال دیئے گئے تھے۔

آپ کے ادراک کے متعلق ایسے ایسے عجیب اور حیرت انگیز قصے لوگوں نے دیکھے کہ بغیر دیکھے کہنے والے کی بات کا یقین بھی نہ آتا۔ ایک مرتبہ جمعہ کے بعد مجمع کثیر آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی مولوی محمد الیاسؒ جن کی عمر اس وقت دس گیارہ برس کی تھی، دبے پاؤں آئے اور چپکے ہی سے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ اچانک حضرت نے گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا بچے کی سانس ہے۔ اسی وقت کسی نے کہا، حضرت! محمد الیاس آئے ہیں۔

ایک بار نمبردار فضل حق کا لڑکا اکرام الحق بعد نماز مغرب حاضر خدمت ہوا۔ حضرت کو خبر نہ تھی کہ کون کون موجود ہیں۔ جب کھانا کھانے کو مکان پر جانے لگے اور اکرام الحق کے قریب پہنچے تو حضرت ٹھہر گئے اور فرمایا نمبردار کی سی بو آتی ہے۔ تب کسی نے کہا کہ نمبردار کا لڑکا اکرام کھڑا ہے۔

نماز کا شوق اور غیبی حفاظت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کی عمر ساڑھے چھ سال تھی کہ آپ سے ایک ایسی کرامت حسیہ اور استقلال وتوکل کا ظہور ہوا کہ جس سے آپ کے مقبول بارگاہ خداوندی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آپ بچپن ہی میں نماز کے پابند تھے۔ عام نمازوں کے اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک دن شام کو ٹہلتے ٹہلتے قصبہ سے باہر نکل گئے وہاں غروب آفتاب کا وقت ہو گیا تو احساس ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ پھولوں کی دو چھڑیاں ہاتھ میں لئے واپس گھر آئے اور والدہ کو چھڑیاں پکڑائیں کہ یہ رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ جلدی سے مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت کھڑی تھی۔ وضو کے لئے لوٹوں کی طرف بڑھے تو خالی پایا۔ دیر میں دیر ہوئی گھبرا کر پانی کھینچنے والے کنوئیں میں ڈول ڈالا، ڈول وزنی تھا۔ گھبراہٹ میں رسی پاؤں میں الجھ گئی اور ہاتھ پاؤں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے پھولے ہوئے تھے۔ لہٰذا ذرا سا جھٹکا لگا اور آپ کنوئیں میں گر گئے۔ نمازیوں کو محسوس ہوا کہ کوئی کنویں میں گر گیا ہے۔ امام صاحب نے جلدی سے نماز پوری کرائی۔ تمام نمازی کنوئیں کی طرف لپکے اب ہر ایک کنوئیں میں جھانکنے لگا۔ اندر سے آواز آتی ہے ''گھبراؤ نہیں میں آرام سے بیٹھا ہوں'' قدرت حق تعالیٰ کی یہ ہوئی کہ ڈول الٹا پانی میں گرا۔ جب آپ گرے تو حواس مجتمع کر کے فوراً اس پر بیٹھ گئے۔ جب آپ کو باہر نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں معمولی سی

خراش آئی تھی۔

حضرت کے ہاتھ میں شفا:

ایک بار حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ کی خالہ بیمار ہوئیں اور سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ معدہ میں درد تھا جس نے بے چین کر رکھا تھا۔ حکیم مولوی محمد تقی صاحب اپنی خالہ کے معالج تھے۔ دوائیں پلاتے اور تدبیریں کرتے کئی روز گزر گئے۔ مگر مریضہ کو کوئی فائدہ محسوس نہ ہوا۔ حضرت کی عمر مبارک اس وقت کم و بیش 22 سال تھی۔ نانی جان نے آپ سے شکایت کی کہ ''مجھے محمد تقی کی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا، بیٹے! تو بھی بڑا عالم فاضل ہے تو ہی کچھ کر اور کوئی ایسی دوا بتا جس سے میری تکلیف رفع ہو''۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت سکوت فرمایا اور کچھ جواب نہ دیا مگر نانی جان کی بے حد تکلیف پر دل میں خیال ضرور پیدا ہوگیا کہ اس طرف توجہ کروں۔ چنانچہ آپ وہاں سے اٹھے اور میزان الطب میں معدہ کی بحث نکال کر مطالعہ شروع فرمایا۔ غرضیکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نانی صاحبہ کا علاج فرمایا حکم خدا سے وہ صحت یاب ہوگئیں۔ اس سے مستورات میں چرچا ہوگیا اور پرانے پرانے مریض ٹوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک میں شفا رکھ دی۔ جو مریض آتا آپ ''اکسیر اعظم'' اور میزان الطب'' کو غور سے دیکھ کر اس کی تشخیص و تجویز فرماتے۔ نتیجتاً اس کو آرام آجاتا۔ آپ نے مطب کو بھی بطور پیشہ کے اختیار نہ کیا بلکہ خدمتِ خلق کا رجوع دیکھ کر انسان دوستی، خدا ترسی اور شفقت کی نگاہ سے اس کو کرتے تھے۔

ثابت قدمی:

مظفر نگر کے جیل خانہ میں آپ کو تقریباً چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اور اس زمانہ

میں آپ کے استقلال، عزم، ہمت اور ارادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک آپ کی نماز ایک وقت بھی قضا نہیں ہوئی۔ حوالات کے دوسرے قیدی آپ کے معتقد ہوگئے تھے۔ ان میں سے بہت سے آپ کے مرید ہوئے۔ جیل خانہ کی کوٹھڑی میں با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔ دعوت و ارشاد ظاہری و باطنی سے آپ کسی دن غافل نہیں ہوئے۔ وعظ و نصیحت کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ لوگوں کو سناتے اور وحدانیت کا درس دیا کرتے تھے۔ جب عدالت میں جاتے تو جو دریافت کیا جاتا بے تکلف اس کا جواب دیتے۔ آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان موڑ کر نہیں کہا۔ کسی وقت جان بچانے کی کوشش نہیں کی۔ جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر جان کر واقعات اور حقیقت حال کے مطابق دیا۔ پوچھا گیا کہ تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا۔ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تجھے پوری سزا دیں گے۔ آپ فرماتے ،کیا مضائقہ ہے؟ بالآخر چھ ماہ بعد آپ کی جیل سے رہائی ہوئی۔

سمجھانے کا دلچسپ انداز:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پڑھاتے ہوئے ترجمہ اور معنی سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے۔ طلبہ کے اعتراضات پر ذرا بھی چیں بچیں نہ ہوتے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم قرأت کر رہا تھا۔ ''عطارہ'' کا لفظ آیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ عطر سے مشتق ہے اور اس کا فلاں معنی ہے۔ بلا تکان آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایک پٹھان طالب علم کو سمجھ نہ آیا اس نے قاری کے کہنی ماری اور کہا کہ ٹھہرو ہم نہیں سمجھا۔ چہ معنی عطارہ؟ ہم نہیں سمجھا۔ آپ نے فرمایا عطر فروش کی بیوی'' قاری پھر پڑھنے لگا، پٹھان نے تیسری دفعہ کہنی ماری اور تیز نظر سے دیکھا اور کہا ٹھہرو ہم نہیں سمجھا اس کا معنی۔ اس مرتبہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اونچی آواز سے فرمایا ''عطر بیچنے والے کا جورو''

اب پٹھان خوش ہوا اور کہا ''ہاں اب سمجھا'' ہاں بھائی آگے چلو''۔ سوالات کرنے والوں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ خفا نہیں ہوتے تھے۔

طلب ہو تو ایسی:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ غربت و تنگدستی کے دور میں حرمین شریفین کی حاضری کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔ آپ کی اقتصادی حالت اس قدر کمزور تھی کہ بمشکل اہل و عیال کی گزران ہوتی تھی۔ لیکن طلب سچی ہو تو اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔

ڈپٹی عبد الحق رامپوری کا قصد حج کا ہوا۔ انہوں نے اپنے اہل و عیال اور متعلقین کا ایک جم غفیر ساتھ لیجانا چاہا۔ حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری جو حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے اور ڈپٹی صاحب کے احباب میں سے تھے۔ ڈپٹی صاحب نے حکیم صاحب کو بھی ساتھ لیا۔ حکیم صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عشاق میں سے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ میرے پیر و مرشد نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زانو پر جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ حکیم صاحب نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا تو ڈپٹی صاحب بلا ادنیٰ تامل کے مان گئے بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و متبع سنت ہمارے قافلے میں شریک ہو۔ مولوی ابو النصر جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں زاد بھائی، بچپن کے ساتھی اور جانثار رفیق تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ حضرت سفر حج پر جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا اثاثہ اونے پونے بیچ کر مع اہلیہ معیت اختیار کی۔ اُن دنوں سفرِ حج انتہائی دشوار تھا اور فریضہ حج کی ادائیگی سب فرائض سے مشکل تھی۔ ایسا بھی ہوتا کہ دخانی کشتیاں تین تین چار چار ماہ سمندر میں ہچکولے کھاتی رہتیں۔ آپ کے بحری سفر کے دوران سخت طوفان آیا۔ تمام مسافر گھبرا گئے۔ مگر آپ نہایت پر

سکون اور مطمئن تھے۔ لوگوں کی گھبراہٹ پر انہیں یہ کہہ کر تسلی دی کہ ''بھئی! کوئی مرے گا نہیں، ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جارہے ہیں، خود نہیں جارہے''۔ اور جہاز جب اصلی حالت پر آیا تو کپتان نے گھڑی دیکھ کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طوفان کی وجہ سے ہمیں آٹھ دن کی مسافت تین دن میں طے کروادی ہے۔ اللہ اکبر!

چائے میں برکت:

مولوی شریف حسین مدراسی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت کے دیوبند تشریف لانے پر وہ ایک برتن میں بڑی عمدہ چائے بنا کر لائے۔ دیکھا تو بیٹھک اشخاص سے بھری ہوئی تھی۔ سوچتے رہے کہ کس کو دوں اور کس کو نہ دوں۔ آخر یہ سوچ کر کہ خاص خاص حضرات کو پلا دیتا ہوں، دہلیز پر بیٹھ گئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا، مولوی شریف حسین! ایک طرف سے پلانا شروع کردو۔ وہ پریشان تو ہوئے لیکن تعمیلِ ارشاد میں داہنے ہاتھ سے تقسیم کرنا شروع کردی۔ تقریباً 25 آدمی مجمع میں موجود تھے سب نے چائے پی لی تو برتن کھول کر دیکھا تو اس میں ابھی چائے موجود تھی اور یہ برتن صرف چھ پیالی کا تھا۔

دھوپ گھڑی ملانے کا واقعہ:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ 12 بجے دوپہر کو حجرہ کی گھڑیاں دھوپ گھڑی سے ملاتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ متواتر کئی دن ابر محیط رہا اور دھوپ نہ نکلی۔ جس دن دھوپ نکلی تو اس طرح کہ کبھی دھوپ کبھی بادل۔ حضرت بارہ بجے سے کچھ قبل گھر سے تشریف لائے اور مولوی علی رضا سے کہا کہ جب بارہ بجیں تو مجھے خبر کرنا اور خود قریب ہی ایک جگہ لیٹ گئے۔ جب وہ آئے تو دھوپ تھی لیکن جس وقت سایہ (12 بجے کے) خط کے قریب پہنچنے لگا تو دفعتاً ایک بہت بڑا بادل سورج

پر چھا گیا۔ گھبرا کر عرض کیا گیا کہ حضرت دھوپ چھپ گئی۔ آپ اٹھ کر دھوپ گھڑی کے پاس آ گئے۔ آپ کا آنا تھا کہ بادل درمیان سے پھٹ گیا اور آپ نے گھڑی ملالی۔

حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن قدس سرہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۸ھ بمطابق 1851ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب ایک جید عالم تھے۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔

آپ نے قرآن پاک کا کچھ حصہ اور ابتدائی کتابیں مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ ابھی آپ قدوری تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ ۱۲۸۳ھ میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارلعلوم دیوبند قائم کیا۔ آپ اس مدرسہ کے پہلے طالب علم بنے۔ ۱۲۸۶ھ میں آپ کتب صحاح ستہ کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ حدیث میں آپ کو مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ آپ کو فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی دارالعلوم دیوبند کا معین مدرس بنا دیا گیا۔ ابتدا میں آپ کے سپرد ابتدائی تعلیم پڑھانے کا کام کیا گیا۔ لیکن بہت جلد آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور رفتہ رفتہ آپ مسلم شریف اور بخاری شریف کی تدریس تک جا پہنچے۔ آپ کا زمانہ تدریس چوالیس سال سے زائد ہے۔ اس عرصہ میں اطراف اکناف عالم میں آپ کے تلامذہ پھیل گئے جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا اشرف علی

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالسمیع رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر علم وفضل شامل ہیں۔

آپ شروع سے ہی نیک نیت اور نیک فطرت تھے۔ اس کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور صحبت اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات نے آپ کو روحانیت کے عرش پر بٹھا دیا تھا۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے آپ کے کمالات علمیہ وروحانیہ سے خوش ہوکر دستار خلافت اور اجازت نامہ بیعت عنایت فرمایا۔ دربار رشیدیہ سے بھی آپ کو یہ نعمت حاصل ہوئی۔ حاصل یہ کہ آپ علم نبوت، شریعت، طریقت اور روحانیت کے مجمع البحرین ہی نہیں بلکہ مجمع البحار تھے۔ آپ اگرچہ اکثر اوقات تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتے لیکن اوراد ووظائف، ذکر ومراقبہ، اور صلوۃ اللیل پر بھی ہر حالت سفر وحضر حتیٰ کہ مالٹا کی طوفانی برفباری میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہ آتا تھا۔

انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کے مشن کو آپ نے کافی آگے تک بڑھایا۔ آپ عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے۔ اس ضمن میں آپ نے تحریک ریشمی رومال شروع کی جس کا مرکز آپ نے کابل کو بنایا۔ اپنوں کی شازشوں اور ریشہ دوانیوں سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی تاہم اس نے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونک دی۔ ۱۳۳۵ھ میں انگریزوں نے آپ کو گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا۔ ۱۳۳۸ھ میں وہاں سے رہا ہوئے اور ہندوستان آئے ان دنوں تحریک خلافت عروج پر تھی۔ باوجود عمر میں زیادتی اور بیماری کے آپنے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا لہٰذہ بیماری میں اور اضافہ ہوگیا۔ آپ

نے ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں انتقال فرمایا۔ اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

علم میں پختگی:

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ واد آباد کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وعظ کے لئے اصرار کیا۔ حضرت نے عذر کیا کہ مجھے عادت نہیں مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر آپ کھڑے ہوئے اور حدیث **فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد** پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا ''ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے'' وہاں ایک مشہور عالم تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو صحیح ترجمہ بھی کرنا نہ آئے تو اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ پس مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا، میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، خیر اب میرے عذر کی دلیل ہوگئی یعنی آپ کی شہادت۔ مگر ان لوگوں نے عذر نہ مانا اور وعظ کا اصرار کیا۔ چنانچہ آپ نے پرتاثیر وعظ فرمایا۔ فراغت پر حضرت نے ان صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا، غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل نہیں بلکہ اضر آتا ہے۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے۔ **یاتینی مثل صلصلة الجرس و هو اشد علی**۔ (وحی مجھ پر مثل گھنٹی کی آواز کے نازل ہوتی ہے اور وہ مجھ پر بھاری ہوتی ہے۔) کیا یہاں بھی اضر کے معنی ہیں؟ اس پر وہ عالم دم بخود رہ گئے۔

عاقبت کا خوف:

حضرت شیخ الہند جس وقت مالٹا میں قید تھے ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا، کیا حضرت گھبرا گئے ہیں؟ یہ لوگ سمجھے کہ گھر بار یاد آ رہا ہوگا، یا

جان جانے کا خوف ہوگا؟ لیکن آپ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ

''میں گھر بار یاد آنے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں''۔

عیسائی پادری سے مناظرہ:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک انگریز عیسائی مناظر دیوبند آیا۔ دیوبند کے اسٹیشن کے قریب ایک باغ میں اس کا قیام ہوا۔ حضرت شیخ الہند کو علم ہوا تو آپ مناظرے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ عیسائی مناظر کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ تھے۔ مولانا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ کلمۃ اللہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی اقسام ہیں؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کونسی قسم میں داخل تھے؟ بس اس کے ہوش وحواس اڑ گئے۔ بار بار یہی کہتا جاتا تھا کہ کلمۃ اللہ تھے۔ مولانا فرماتے کونسا کلمہ؟ کلمہ تو بہت قسم کا ہوتا ہے۔ جب یہ نہ بتا سکا اور اس کی میم صاحبہ نے خیمہ میں سے دیکھا کہ یہ جواب نہیں دے سکتا تو پرچہ بھیج دیا کہ مناظرہ بند کر دو۔ یہ عورتوں کے تابع ہوتے ہیں۔ مناظرہ چھوڑ کر چلا گیا۔ حضرت نے مزاحاً فرمایا کہ یہ لوگ مادیات ہی میں چلتے ہیں، نر یات میں خاک بھی نہیں چلتے۔

دو اہم ترین سبق:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد نماز عشا دار العلوم دیوبند میں تشریف فرما تھے۔ علما کا بڑا مجمع سامنے تھا۔ اس وقت فرمایا کہ ''ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے 80 سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر

میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا، میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔

1. ان کا قرآن مجید کو چھوڑ دینا
2. آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

اس لئے میں وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اسی کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم اور بڑوں کو عمومی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو ہرگز برداشت نہ کیا جائے''۔ قرآن پر عمل ہو تو خانہ جنگی کی نوبت نہیں آئے گی۔

محبوب شے کی قربانی:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے نام پر جہاں تک ہو سکے عمدہ جانور ذبح کرو جس کو ذبح کر کے کچھ تو دل دکھے۔ جیسا کہ اپنی جان کو پیش کرتے یا بیٹے کو ذبح کرتے تو دل دکھتا۔ اب تو ویسا کہاں دکھے گا؟ لیکن کچھ تو مال ایسا ہو کہ جس کو ذبح کر کے دل پر کچھ چوٹ لگے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون کامل نیکی تم کو اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک کہ محبوب اشیا کو خرچ نہ کرو۔

انفاق محبوب کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار قربانی کی تھی۔ آپ نے قربانی سے کئی مہینے پہلے ایک گائے خریدی۔ اس کو خوب کھلایا پلایا اور عصر کے بعد جنگل میں اپنے ساتھ لے جا کر دوڑایا کرتے تھے۔ قربانی

تک وہ اتنی تیار ہوگئی کہ ارزانی کے اس زمانے میں بھی قصائی اس کی قیمت 80 روپے دے رہے تھے۔ مگر مولانا نے کسی کو نہ دی اور قربانی کے دن ذبح کیا۔ جب ذبح ہوئی تو مولانا کے دل پر اثر ہوا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کچھ عرصہ تک ساتھ رکھنے کی وجہ سے اور پرورش کرنے کی وجہ سے اس کے ساتھ آپ کو محبت ہوگئی تھی۔ چنانچہ آپ نے محبوب چیز کی قربانی دے کر نیکی کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔

اتباع سنت:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ کسی شاگرد نے عرض کیا، حضرت! بیٹھ کر نوافل پڑھنے کا ثواب تو آدھا ہے۔ حضرت نے فرمایا، ہاں، بھائی! یہ تو مجھے معلوم ہے مگر بیٹھ کر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لئے سنت عمل کو اپنایا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا معمول رمضان میں تراویح کے بعد سے صبح تک قرآن پاک سننے کا تھا۔ حافظ بدلتے رہتے اور حضرت اخیر تک کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے کبھی کبھی پاؤں پر ورم بھی آ جاتا تھا۔ تو اس پر خوش ہوتے کہ حتی یتورمت قدماہ کی سنت کی موافقت نصیب ہوگئی۔

معمولات کی پابندی:

زمانہ نظر بندی میں حضرت اکثر توجہ الی اللہ میں خاموش رہتے یا تسبیح اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے، عشا کی نماز کے بعد تھوڑی دیر اپنے وظائف پڑھتے پھر آرام فرماتے اور دو بجے کے قریب سخت سردی میں اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے۔ نماز تہجد کے بعد اپنی چارپائی پہ بیٹھ کر صبح صادق تک مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول رہتے جب کہ مالٹا کی سردی مشہور و معروف ہے۔

دنیاداروں سے بے رغبتی:

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے متعلق حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں اور کمالات کے علاوہ ایک عجیب بات یہ تھی کہ امرا سے ذرہ برابر دلچسپی نہ تھی۔ جب تک کوئی امیر پاس بیٹھا رہتا اس وقت تک حضرت کے دل پر انقباض رہتا۔ نواب یوسف علی خان صاحب کو میں بعضے بزرگوں کی طرف زیادہ متوجہ کرتا تھا۔ مگر ان کو حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ میلان تھا۔ میں نے ایک روز نواب صاحب سے دریافت کیا کہ میں آپ کو اور بزرگوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہو گئے ہیں۔ اس کی کیا خاص وجہ ہے؟ کہنے لگے کہ جس جگہ میں جاتا ہوں تو وہ میرے جانے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت زیادہ خاطر تواضع کرتے ہیں لیکن جب شیخ الہند کے پاس جاتا ہوں تو مولانا مجھ سے طبعًا ایسی نفرت کرتے ہیں جیسے کسی کو گندگی سے بو آتی ہو۔ میں اس سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں دین ہے اور خالص دین ہے، دنیا بالکل نہیں ہے، اس لئے میں ان کا معتقد ہوں۔

تواضع اور انکساری:

مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سفر حجاز کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور وہاں سے گرفتار ہو کر مالٹا گئے تو اس وقت کی بات ہے کہ ہمارے مکان پر تشریف لائے۔ دادی صاحبہ رحمۃ علیہا (اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں عرض کیا کہ اماں جی میں نے آپ کی کوئی خدمت نہیں کی، بہت شرمندہ ہوں، اب سفر پر جا رہا ہوں، ذرا حضرت

نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا جوتا دے دیجئے۔ انہوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھا دیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کولیکر اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے اور کہتے رہے کہ یا اللہ! میری کوتاہیوں کو معاف فرما دیجئے۔

محبت شیخ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پان نہیں کھایا کرتے تھے لیکن اگالدان پاس رہتا تھا۔ کبھی کبھار کھانسی وغیرہ کی وجہ سے بلغم اس میں ڈالتے تھے جو سوکھ بھی جاتا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس اگالدان کو بہت چپکے سے کہ کوئی نہ دیکھے، اٹھایا اور باہر لے جا کر اس کو دھو کر پی لیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ سے وہ عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا جس کو ترقیء باطن میں ہزار اذکار اور ریاضتوں کے زیادہ دخل ہے۔ اس ضمن میں آپ کی کیفیت یہ تھی کہ

؎ انبساط عید دیدن روئے تو
عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیری قدس سرہ

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری 27 شوال المکرم 1292ھ کو بوقت صبح اپنے علاقہ لولاب، کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا معظم شاہؒ بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے جا کر ملتا ہے۔

آپ نے چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن پاک کے علاوہ متعدد فارسی رسائل بھی ختم

کر لیے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ بچپن میں ہی بے حد ذہین اور فطین تھے۔ تین سال تک آپ ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے۔ پھر جب علوم وفنون کی پیاس وہاں بجھتی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے مرکز علم دارالعلوم دیوبند کی شہرت سن کر ۱۳۰۷ھ میں ہزارہ سے دیوبند تشریف لے آئے۔ چار سال وہاں رہ کر آپ نے وہاں کے مشاہیر علماء کرام سے علمی، عملی اور باطنی فیض حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اسحاق امرتسری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام رسول ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ پہنچے۔ وہاں سے سند حدیث حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فیوظات باطنی بھی حاصل کیے۔ پھر تین چار سال دہلی میں مدرسہ امینیہ میں مدرس اول رہے بعد ازاں کشمیر واپس تشریف لے گئے وہاں بھی تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۳۲۳ھ میں آپ نے کشمیر کے بعض مشاہیر علماء کی رفاقت میں حج بھی کیا۔ سفر حج میں طرابلس، بصرہ، اور مصر و شام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد لیاقت و استعداد کو دیکھ کر سندات حدیث عطا کیں۔ تین سال کشمیر رہنے کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور وہاں مدرس مقرر ہوئے۔ سالہا سال وہاں تدریسی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے وہاں کے اساتذہ کرام اور مدرسین کے ساتھ عجیب علمی اور تحقیقی ماحول قائم کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے حجاز مقدس تشریف لے جانے کے بعد آپ وہاں کے صدر مدرس مقرر ہوئے ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس کی حیثیت سے درس حدیث دیتے رہے۔

اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۱ھ تک وہیں درس حدیث دیتے رہے۔ 2 صفر 1352ھ کو آخری شب ساٹھ سال کی عمر میں آپ نے دیوبند میں داعیء اجل کو لبیک کہا۔

علمی استفادہ:

ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ انجمن خدام الدین کے کسی سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر علامہ اقبال صاحب خود ملاقات کے لئے حضرت موصوف کی قیام گاہ پر آئے اور انہیں اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت کا صرف بہانہ تھا ورنہ اصل مقصد علمی استفادہ کرنا تھا۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلہ پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے تو بالکل ایک طالبعلمانہ انداز سے کرتے تھے، مسئلہ کے ایک ایک پہلو کو سامنے لاتے اور اس پر اپنے شکوک وشبہات کو بے تکلفانہ بیان کرتے تھے، چنانچہ کھانے سے فراغت پاکر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کو بڑے صبر وسکون کے ساتھ سنا اور اس کے بعد ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کو ان دو مسئلوں پر کلی اطمینان نصیب ہو گیا اور کچھ بھی خلش ان کے دل میں باقی نہ رہی۔ اس کے بعد انہوں نے ختم نبوت پر وہ لیکچر تیار کیا جو ان کے چھ لیکچرز کے مجموعہ میں شامل ہے اور قادیانی تحریک پر وہ ہنگامہ آفرین مقالہ سپردِ قلم فرمایا جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔

بے مثال حافظہ:

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے بے نظیر حافظہ عطا فرمایا تھا۔ کسی فن کی کسی

کتاب کو شروع سے آخر تک ایک دفعہ مطالعہ کر لیتے اور جب کبھی سالہا سال کے بعد اس کے متعلق کوئی بات چھڑتی تو اس کتاب کے مندرجات کو اس طرح حوالوں کے ساتھ بیان فرما دیتے کہ سننے والے ششدر و حیران رہ جاتے۔ ایک کتاب کے اگر پانچ پانچ یا دس دس حواشی بھی ہوتے تو وہ آپ کو یاد ہوتے تھے۔ حوالہ جات کتب صحیحہ مع جلد و صفحات آپ کو ایک ہی دفعہ مطالعہ سے ذہن نشین ہو جاتے تھے اور جس وقت کسی اہم علمی مسئلہ پر تقریر فرماتے تھے تو بے شمار کتابوں کے حوالے بلا تکلف دیتے۔ آپ کی قوت حافظہ اُن منکرینِ حدیث کے لئے گویا زندۂ جاوید ثبوت تھا جو محدثین کے حافظہ پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ذخیرہ حدیث کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''میں جب کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا تب بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ ہو جاتے ہیں''۔

مسئلے کا فوری حل:

کشمیر میں ایک دفعہ علماء کے درمیان اختلاف ہوا اور ہر ایک کا جواب دوسرے سے مختلف رہا۔ اسی دوران میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کشمیر تشریف لائے۔ فریقین شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور دونوں نے مختلف فیہ مسئلہ کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میں نے فتاویٰ عمار یہ کے ''مخطوطہ'' کا دار العلوم کے کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے، اس میں یہ عبارت ہرگز موجود نہیں۔ یہ لوگ تصحیف کر رہے ہیں یا تدلیس اس پر حاضرین متحیر ہوئے اور مستدلین مبہوت ہو کر رہ گئے۔

حافظہ کی دعا:

کئی ایک بزرگوں سے سنا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص کعبۃ اللہ کے غلاف کو پکڑ کر دعا کر رہا تھا کہ خداوند تعالیٰ! مجھے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ عطا فرما۔ اس کی دعا قبول کی گئی۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے فرمایا کہ یہ شخص خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ بات بطور تحدیث نعمت ان کی زبان پر آجاتی تھی۔ مگر اپنے نام کا اخفا کر جاتے تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبندی ہمیشہ حضرت شاہ صاحب کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا میاں اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جب مسئلہ فقہ میں کوئی دشواری پیش آتی ہے تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر کوئی چیز مل گئی تو فبھا ورنہ پھر حضرت سے رجوع کرتا ہوں۔ شاہ صاحب جو جواب دیتے میں اسے آخری اور تحقیقی پاتا ہوں اور اگر حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملے گا اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

علم کی قبر.....!!!

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا یا ایک مرتبہ سن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا کہ اپنے زمانہ کے زہری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ کے بازار سے گزرتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ میرے کانوں میں جو

داخل ہو جاتا ہے وہ نکلتا نہیں۔ اس لئے بازار سے گزرتے وقت کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہوں تا کہ بازار کی خرافات میرے کانوں میں داخل نہ ہو سکیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد ایک دفعہ دیو بند کے قبرستان میں پھر رہے تھے فرمایا کہ میں علم کی قبر کے پاس پھر رہا ہوں۔ یہ قبر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ مطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ، فلسفہء جدید، ہئیت جدید حتیٰ کہ فن رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑا۔

علم کا ادب:

حضرت کے ادب علم کا یہ عالم تھا کہ خود ہی فرمایا کہ میں کتاب کو مطالعہ کے وقت اپنے تابع کبھی نہ کرتا بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کتاب پر حاشیہ ٹیڑھا یا ترچھا ہوتا تو بجائے اس کے کہ کتاب کو حاشیہ کے مطابق پھیر لیں کتاب کو بغیر ہلائے آپ اس طرح گھوم جاتے تھے جیسے پروانہ شمع کے گرد گردش کر رہا ہو۔ چنانچہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ لیٹ کر مطالعہ کرتے ہوں، یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں۔ بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے۔ گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔ گویا مشہور مقولہ کے مطابق کہ ''علم اپنا بعض بھی کسی کو نہیں دیتا جب تک اپنا کل اس کے حوالے نہ کر دیا جائے''۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ''میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا''۔ سبحان اللہ۔

ایک پیر کی توجہ کا واقعہ:

اپنے بارے میں حضرت نے ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ میں

کشمیر سے چلا، راستہ میں کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہوکر طے کرنا پڑتی تھی۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہوگیا۔ یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے۔ یہ مجھ سے اپنے پیر کے کمالات وکرامات کا تذکرہ کرتے رہے۔ ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں ہی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کرلیا۔ جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہنچے تو ان صاحب نے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے اور ان بزرگ نے اطلاع پاکر خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لئے بھیجا اور اکرام سے پیش آئے۔ خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی سب مریدین وطالبین نیچے فرش پر تھے۔ مگر مجھے اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، کچھ باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی۔ اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہوکر لوٹنے اور تڑپنے لگے، میں یہ سب دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا، میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہوسکے تو مجھ پر بھی توجہ فرمائیں۔ انہوں نے توجہ دینا شروع کی۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کرکے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی لیکن مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے خود ہی فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑسکتا۔

چہرے پر انوارات:

حضرت مولانا محمد انوریؒ فرماتے تھے کہ حضرت کشمیری بہاولپور شہر میں جامع مسجد و دیگر مقامات پر قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کے لئے علماء کو بھیجتے رہتے تھے۔ دو دفعہ اس احقر کو بھی بھیجا۔ ان ایام میں اس قدر حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارکہ پر انوار کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا۔ احقر

نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرمارہے ہیں لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں حالانکہ اس وقت بجلی گلی میں ہوتی تھی۔

تنہائی میں ملاقات سے انکار:

ایک مرتبہ حیدر آباد کے مولوی نواب فیض الدین، صاحب ایڈووکیٹ نے حضرت شاہ صاحب کو اپنی لڑکی کی شادی میں بلایا۔ چونکہ نواب صاحب اور ان کے خاندان کو علمائے دیوبند کے ساتھ قدیم رابطہ اور قلبی علاقہ تھا اس لئے دوران قیام میں بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شاہ صاحب اور نظام کی ملاقات ہوجائے۔ حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا ''مجھ کو ملنے میں عذر نہیں ہے لیکن اس سفر میں نہیں ملوں گا۔ کیونکہ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کی بچی کی تقریب میں شرکت تھا۔ اور میں اس کو خالص ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور ادھر نظام صاحب کا بھی ارادہ تھا مگر شاہ صاحب رضامند نہیں ہوئے۔ اسی قیامِ حیدر آباد کے زمانے میں ایک روز سر اکبر حیدری کا فون آیا (جو بعد میں آسام کے گورنر بنے) کہ میں مولانا انور شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ فرمایا'' کہ انہیں کہہ دیں کہ میں یہیں ہوں آجائیں'' حیدری صاحب کو پیغام پہنچایا گیا تو انہوں نے کہا بہت اچھا میں حاضر ہوتا ہوں۔ مگر میرے آنے پر حاضرینِ مجلس کو اٹھا دیا جائے۔ میں تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت کو پیغام دیا گیا تو فرمایا کہ ناممکن ہے کہ میں حیدری صاحب سے باتیں کرنے کے لئے حاضرین مجلس کو چھوڑ کر الگ جا بیٹھوں یا ان لوگوں سے میں کہوں کہ چلے جائیں۔

متانت وسنجیدگی کا واقعہ:

''اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی'' کے مصداق حضرت شاہ صاحب رحمۃ

اللہ علیہ اعلان حق کرنے کے لئے نیز قضیہء زمین برسرزمین کی خاطر کئی دفعہ قادیان تشریف لے گئے اور وہاں پبلک جلسہ کر کے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ مرزائیوں نے حکام سے مل کر بہت کوششیں کی کہ ان جلسوں پر پابندی لگائی جائے مگر آپ جلسے میں جس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ جلوہ گر ہوتے تھے اس کی بنا پر پابندی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب قادیانی جلسہ بند کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر جلسہ سے قبل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دھمکی آمیز خطوط لکھا کرتے کہ اگر تم یہاں آئے تو قتل کر دیئے جاؤ گے اور واپس نہ جا سکو گے۔ یہ صرف دھمکی ہی نہ ہوتی تھی بلکہ کئی دفعہ عملاً کوشش کی گئی مگر

؎ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

منور صورت:

مولانا محمد انوری فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف ''کمالاتِ انوری'' میں رقم طراز ہیں کہ ایک بار صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے آپ وزیر آباد کے اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں تشریف رکھتے تھے۔ تلامذہ اور معتقدین کا ہجوم اردگرد جمع تھا۔ وزیر آباد اسٹیشن کا ہندو اسٹیشن ماسٹر ہاتھ میں بڑا لیمپ لئے ہوئے ادھر سے گزرا۔ حضرت کشمیری پر نظر پڑی تو رک گیا اور غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا کہ کہ جس مذہب کا یہ عالم ہے وہ مذہب جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر کفر سے توبہ کی اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ پنجاب میں ہی پیش آیا کہ آپ کی منور صورت دیکھ کر ایک غیر مسلم کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی، سبحان اللہ۔

چہرے سے اسلام کی دعوت:

مولانا محمد علی مونگیری کی دعوت پر ایک مرتبہ حضرت کشمیریؒ قادیانیت کی تردید کے لئے مونگہ تشریف لے گئے تو چند روز اجتماع میں آپ کے مسلسل بیانات ہوئے تو علاقہ کا ایک بڑا ہندو سادھو پابندی سے ان اجتماعات میں شرکت کرتا۔ آخری دن اس کی زبان پر یہ کلمات بے اختیار جاری تھے کہ یہ شخص اپنے چہرے سے اسلام کی دعوت دیتا ہے۔

دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بلیاوی کہتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز سردی کے زمانہ میں حضرت شاہ صاحب سبز پوشاک میں ملبوس دارالعلوم سے جامع مسجد کے لئے روانہ ہوئے۔ میری نظریں آپ پر پڑیں تو اپنے بارے میں خود اندیشہ ہوا کہ کہیں شاہ صاحب کو نظر نہ لگ جائے۔

''حیات انور'' میں مولانا منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اور میرے ساتھ طلبا کی ایک بڑی تعداد درس حدیث میں حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ ان کے حسن و جمال سے بھی آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔

مظفر نگر کے مشہور طبیب حکیم فتح محمد صاحب جو علاقہ کے ایک نہایت تجربہ کار حکیم اور خاندانی رئیس تھے ان کا بیان ہے کہ میں بھرپور شباب میں جب کہ میرا جمال و رعنائی عروج پر تھی دلی میں طب پڑھنے کے لئے گیا۔ حکیم اجمل صاحب کے والد سے بعض کتابیں پڑھنے کا پروگرام تھا۔ ملاقات ہوئی تو حکیم صاحب نے عربی میں میری قابلیت و استعداد کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ ہیئت میں مزید کچھ کتابیں پڑھنے کے لئے حکم فرمایا اور یہ بھی کہ مولانا نذیر احمد صاحب محدث دہلوی سے پڑھوں۔ میں محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوا تو موصوف نے اپنی کبرسنی کا عذر کرتے ہوئے بتایا کہ دہلی میں ایک نووارد عالم مولانا انور شاہ کشمیری سنہری مسجد میں

پڑھاتے ہیں۔ یہاں ان کتابوں کا درس صرف وہی دے سکیں گے۔ میں سنہری مسجد میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری درخواست پر کچھ وقت عنایت فرمایا۔ سبق کے لئے حاضر ہوتا تو آپ نظریں نیچی کئے ہوئے پڑھاتے۔ دو تین سال میں میری یہ تمنا کبھی پوری نہ ہوسکی کہ حضرت شاہ صاحب نظر اٹھا کر مجھے دیکھیں۔ مرض الوفات میں مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب حضرت شاہ صاحب کی نبض دکھانے کے لئے دیوبند لے گئے۔ میں اس تصور کے ساتھ حاضر ہوا کہ چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے اور دوران تعلیم آپ نے مجھے کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اب پہچاننے کا کیا سوال؟ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حاضری پر آپ نے میرا نام، سکونت اور دہلی میں پڑھنے کی تفصیلات سنائیں۔ متحیر ہوکر میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ فرمایا کہ آواز سے آپ کو پہچان لیا۔ حضرت کشمیری کا تقویٰ اس قدر تھا کہ امارد سے بھی نظروں کی حفاظت فرماتے تھے۔

نگاہوں کی پاکیزگی:

مشہور عارف باللہ مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مہینوں مسجد سے باہر نہ نکلتے تھے اور کبھی ضرورت کے لئے باہر نکلنا ہوتا تو چہرے پر رومال اس طرح ڈال لیتے کہ سوائے راستہ کے گردو پیش کے کوئی چیز نظر نہ آتی۔ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ کسی غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑ جائے۔

اتفاقاً ایک روز مہتمم صاحب کی والدہ ہمارے گھر میں تشریف رکھتی تھیں۔ مرحوم تشریف لائے اور زنان خانہ میں آنے کی اجازت چاہی۔ والدہ کو سہو ہوا اور اجنبیہ کی موجودگی کا خیال دل سے نکل گیا۔ اندر آنے کی اجازت دی۔ حضرت نے

زنان خانہ میں قدم رکھا تو ان اجنبیہ پر نظر پڑنے کے ساتھ ہی استغفار پڑھتے ہوئے الٹے پاوں باہر لوٹ گئے۔ اس اتفاقی حادثہ کی تکلیف جو کچھ آپ کو ہوئی وہ ایک مدت تک کے لئے اہلیہ مرحومہ سے ناراضگی کی شکل اختیار کر گئی بلکہ اپنے سبق میں طلبا کے سامنے غمگین لہجہ میں فرمایا کہ بھائی! بالغ ہونے کے بعد کل بلا ارادہ مولانا طیب صاحبؒ کی والدہ پر نظر پڑ گئی جس کی تکلیف سوہان روح کی طرح محسوس کرتا ہوں۔

کسبِ حرام سے حفاظت:

آپ کے نامور شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی ﷺ ثم مہاجر مدنی فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ دیوبند سے سفر فرما رہے تھے اور رفیقِ سفر کی حیثیت سے میں آپ کے ساتھ تھا۔ ریل کے جس ڈبہ میں سوار ہوئے اس میں دو خوش رو عورتیں بھی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب جب گاڑی میں تشریف رکھتے تو اپنے منور چہرہ کی وجہ سے مرکز نگاہ بن جاتے۔ یہ عورتیں برابر آپ کو دیکھتی رہیں اور آپ حسب دستور کتاب کے مطالعہ میں مستغرق رہے۔ دونوں عورتوں کے ساتھ ایک بڑا پاندان تھا۔ انہوں نے پان لگایا اور طشتری میں رکھ کر مجھے دیا کہ ان بزرگوں کو پیش کروں۔ دونوں کا اصرار اتنا بڑھا کہ ان سے پان لینے اور شاہ صاحب کو پیش کرنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔ میں نے طشتری آپ کے سامنے کر دی۔ استغراق مطالعہ میں آپ نے بھی بے تکلف پان منہ میں رکھ لیا ابھی چند منٹ نہ گزرے تھے کہ آپ پر مسلسل متلی کی کیفیت شروع ہو گئی۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ کوئی قے آور چیز تو پان میں نہیں دے دی گئی۔ لیکن ان کے پاس موجود دوسرے پان کو خوب دیکھنے کے بعد یہ بدگمانی بھی جاتی رہی۔ میرٹھ کے اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ دونوں عورتوں کا تعلق طوائفوں سے تھا۔ اب معلوم ہوا کہ اس پاکیزہ باطن انسان کا معدہ حرام کسب کے پان کو بھی گوارہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اللہ اکبر مردان خدا کے ساتھ خدائے حفیظ و حافظ کا یہ

حفاظتی معاملہ ہوتا ہے۔

علم کی عظمت:

مولانا بدر عالم راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ڈابھیل کے زمانہ قیام میں میں نے عرض کیا، آپ صاحب اہل وعیال ہیں اگر بخاری شریف کی شرح یا قرآن مجید کی تفسیر تصنیف فرمائیں تو آپ کے علوم کی حفاظت کے ساتھ آئندہ بچوں کے لئے بھی ان تصانیف سے کچھ انتظام ممکن ہے۔ اس گذارش پر آپ کا جواب یہ تھا کہ عمر بھر حدیث بیچ کر گزر اوقات کی، مولوی صاحب! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میرے بعد بھی میرا علم فروخت ہوتا رہے؟

حقیقت پسندی:

دیوبند سے ''مہاجر'' کے نام سے ایک اخبار نکلتا تھا۔ اس اخبار میں نظام حیدر آباد اور آپ کی ملاقات کی خبر اس جلی سرخی کے ساتھ شائع کی جارہی تھی

''بارگاہ خسروی میں علامہء جلیل مولانا انور شاہ کشمیری کی باریابی''

اخبار چھپا نہیں تھا کہ کسی طرح آپ کو عنوان کی اطلاع ہوگئی۔ اخبار کے منتظمین کو بلا کر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہر چند کہ میں ایک فقیر بے نوا ہوں مگر اتنا گیا گزرا ہوا بھی نہیں کہ اس طرح کے عنوانات کو برداشت کروں۔ کیسی بارگاہ خسروی؟ اور کہاں کی باریابی؟ صرف اتنا لکھئے ''نظام حیدر آباد سے انور شاہ کی ملاقات''۔

کتابوں کا ادب:

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا بیان ہے کہ بارہا حضرت سے سنا کہ میں نے

سات سال کی عمر کے بعد دین کی کسی کتاب کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگایا اور مطالعہ کے دوران کبھی کتاب کو اپنے تابع نہیں کیا۔ اگر کتاب میرے سامنے رکھی ہوئی ہے اور حاشیہ دوسری جانب ہے تو ایسی کبھی نوبت نہیں آئی کہ حاشیہ کی جانب کو گھما کر اپنے سامنے کرلیا بلکہ اٹھ کر اس جانب جا بیٹھا ہوں جس جانب حاشیہ ہوتا۔

کتابوں کا ادب اور تواضع کی یہ برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اپنے اساتذہ کرام کا احترام اور ان کے سامنے آپ پر تواضع و انکسار اس درجہ غالب رہتا کہ مولانا اعزاز علی صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے روبرو شاہ صاحب ہوئے تو اس قدر جھک جاتے کہ آپ کے گرنے کا اندیشہ ہوتا۔

اساتذہ کا ادب:

مولانا مشیت اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محبوب الرحمٰن فاضل دیوبند کا بیان ہے کہ میں جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کے رہائشی کمرہ میں میرا قیام تھا۔ حضرت کو پان کی عادت تھی۔ ایک روز میں نے پان لگا کر پیش کیا تو آپ نے منہ میں رکھا ہی تھا کہ مجھے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سامنے سے تشریف لاتے ہوئے نظر آئے جو کسی ضرورت سے اپنے شاگرد کے پاس تشریف لا رہے تھے۔ شاہ صاحب کو حضرت کے آنے کی اطلاع کی گئی۔ میں اس اضطراب کو بھول نہیں سکتا جو اس وقت شاہ صاحب پر اپنے استاد کی آمد اور منہ سے پان نکالنے کی عجلت کی صورت میں طاری تھا۔ تیزی کے ساتھ اپنے منہ کو صاف کیا اور کمرے کے دروازے پر ایک سراپا انکسار خادم کی حیثیت سے اپنے آقا کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔

دولتمندوں سے اعراض:

مولانا میاں محمد سملکی جنہیں والد مرحوم کی زندگی میں عقید تمندانہ نیاز کا خاص مقام حاصل تھا۔ وہ اپنے ماضی میں ایک بڑے مالدار باپ کے بیٹے تھے اپنی زندگی میں تعمیر کردہ کارخانوں کے مالک اور افریقہ میں سونے کی کان کے ٹھیکیدار رہے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جب اپنی عقیدت کی بنا پر انہوں نے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طویل مدت تک رفاقت اختیار کی تو مولانا بدر عالم کا بیان ہے کہ میری وساطت سے حضرت شاہ صاحب نے مولانا سملکی کو یہ پیغام پہنچایا کہ ان صاحب سے کہہ دیجئے کہ ہمارے پاس سے رخصت ہو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ تعلق کو عام لوگ ان کی دولتمندی کا نتیجہ گردان لیں۔

علمی وقار کا اظہار:

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب فرزند ارجمند حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مولانا محمد میاں سملکی جب دیوبند میں پڑھتے تو میری ہمشیرہ راشدہ خاتون جن کی عمر اس زمانہ میں سات آٹھ سال کی تھی اور بچیوں کے عام دستور کے مطابق اپنی گڑیا کی تقریب شادی کے انتظامات میں مصروف تھی۔ مولانا سملکی نے بازار سے کچھ بیش قیمت کپڑوں کے ٹکڑے گڑیا کے لئے خرید کر دیئے۔ عصر کا وقت تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت معمولاً اپنے مخصوص کمرہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ وضو کر رہے تھے کہ ہمشیرہ کپڑوں کا یہ تحفہ لئے ہوئے سامنے سے گزریں۔ اشارہ سے بلا کر تحقیق حال کی اور معصوم بچی سے پوری کیفیت سننے کے بعد شدید غصہ کا اظہار فرمایا۔ الفاظ کچھ یہ تھے کہ

''یہ صاحب کیا اپنی دولت سے ہمارا علم خریدنا چاہتے ہیں''

استاذ کی خدمت:

مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ فیصل آبادی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے جو اس علمی درسگاہ کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ رہائی کے بعد دیوبند پہنچے۔ مجھے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا اب تک موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن آپ کی علمی عظمت کا احساس آپ کے سینکڑوں تلامذہ سے سن کر دل و دماغ پر غالب تھا۔ دیوبند پہنچنے کے بعد میرے والد مجھے لے کر آستانہء شیخ الہند پر پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا اور ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ حضرت کی مردانہ نشست گاہ میں ایک ہجوم حضرتؒ کو چہار طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ چھت سے لٹکے ہوئے پنکھے کو ایک صاحب کھینچ رہے تھے جن کے پرانوار چہرہ کی معصومیت ونورانیت، شکوہِ علم اور جلالت علمی کی ملی جلی کیفیت دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ ایک صاحب نے مجھے چپکے سے کہا کہ یہ پنکھا کرنے والے حضرت مولانا انور شاہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ یہ سن کر میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ جس ذات گرامی کی علمی شہرتوں سے عالم گونج رہا ہے اور جس کے خود اپنے شاگردوں کا اس مجلس میں ہجوم ہے کس عقیدت واحترام کے ساتھ اپنے استاد کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مالٹا سے تشریف لانے کے بعد دوپہر کو معمولاً حکیم صفت احمد صاحب کی حاضری حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوتی۔ حضرت اس وقت کچھ آرام فرماتے اور حکیم صاحب آپ کا بدن دباتے۔ ایک روز حضرت چادر اوڑھے ہوئے استراحت فرما رہے تھے اور حکیم صاحب حسب دستور بدن دبا رہے تھے کہ اچانک حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آنے کو تو آ گئے لیکن یہ دیکھ کر کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لمحات ایسے گزرے کہ اپنی

سانس روکے رہے۔ اس طرح کہ جیسے آپ زندہ ہی نہ ہوں۔ ساری کوشش اس لئے تھی کہ حضرت استاد کو کسی تیسرے کی موجودگی کا احساس ہو کر آرام میں خلل نہ آئے''۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ ہے۔ آپ کا آبائی وطن موضع اللہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہء خاص تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اور قرآن پاک اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ 13 سال کی عمر میں آپ دیوبند تشریف لے گئے اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحب اور شفیق استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی تعلیم پاتے رہے۔ آپ کے آثار سعادت، جذبہء خدمت، قابلیت اور استعداد کو دیکھتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر خصوصی توجہ دی لہٰذا درس نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کر ڈالیں۔ اور علم نبوت کے نیر اعظم بن کر دارالعلوم کے در و دیوار کو منور کرنے لگے۔ اساتذہ غایت شفقت و محبت نیز کم عمر ہونے کی وجہ سے آپ کو مستوراتی منشی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اساتذہ کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے میں آپ نے کبھی عار محسوس نہ کیا۔

آپ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنگوہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت سے بیعت ہو گئے۔ اس وقت آپ کا ارادہ مکہ مکرمہ جانے کا تھا۔ لہٰذا

حضرت گنگوہیؒ نے آپ سے فرمایا کہ میں نے تمہیں بیعت تو کرلیا ہے مکہ مکرمہ میں شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں ان سے ذکر سیکھنا۔ چنانچہ آپ مکہ مکرمہ میں پہنچے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو اپنی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان کے ارشاد کردہ فرمان کے بارے میں بتایا۔ اس پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ذکر تلقین فرمایا اور فرمایا کہ صبح آکر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو۔ ان کی توجہات باطنیہ سے آپ کی روحانی تربیت ہوتی رہی۔ اور جب آپ مکہ سے مدینے روانہ ہوئے تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ مدینہ منورہ پہنچے تو عرصہ ء دراز تک درس حدیث دیتے رہے اور ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے جس کی وجہ سے متعدد رویائے صالحہ اور بشارات آپ کو حاصل ہوئیں۔

جس وقت آپ ہندوستان سے چلے تھے تو استاد مکرم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آپ کو مدینہ منورہ رخصت کررہے تھے تو ارشاد فرمایا کہ پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے ایک دو ہی طالب علم ہوں۔ چنانچہ آپ نے استاد کی اس نصیحت کو ایسا گرہ میں باندھا کہ آخر دم تک پڑھاتے رہے۔ مدینہ منورہ کی فاقہ کشی کی زندگی، ہندوستان کی قید و بند کی زندگی میں برابر اس نصیحت پر عمل پیرا رہے اور اشتغال بالعلم رکھا اور علم کے دریا بہادیئے اور مرکز علم مدینہ منورہ میں وہ خصوصیت حاصل کی کہ عرب کی حدود سے نکل کر آپ ممالک غیر میں بھی شیخ حرم نبوی مشہور ہوگئے۔ عرصہ ء دراز تک حرم نبوی میں پڑھانے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ ہندوستان تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شرکت فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ نے آپ کو دیوبند میں مدرس رکھ لیا۔ دو سال بعد آپ دوبارہ مدینہ شریف تشریف لے گئے اور اسارت مالٹا تک وہیں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد

آپ کو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی خدمت کیلئے بلا لیا۔ کچھ دنوں کے بعد کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں عریضہ بھیجا تو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر آپ کلکتہ تشریف لے گئے اور تقریباً چھ سال تک وہاں رہے پھر آپ اس کی مدرسی سے بوجہ گرفتاری اور جیل علیحدہ ہوئے۔ پھر آپ سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آخری دم تک پڑھاتے رہے اس 31 سالہ زمانہ تدریس میں ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی سے مستفید ہوئے۔

اسلام کی خاطر سیاسی میدان میں بھی آپ نے بے انتہا خدمات سرانجام دیں۔ ہندوستان کی آزادی کیلئے آپ تمام عمر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر تحاریک آزادی میں حصہ لیتے رہے اور کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور بالآخر انگریزوں کو ملک آزاد کرنا پڑا۔ تحریک آزادی میں اگرچہ آپ کے اور بعض علماء کے موقف میں اختلاف رہا اور آپ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کے حقوق دلوانا چاہتے تھے۔ بہرحال آپ اپنے اجتہاد میں مخلص تھے۔

آپ ساری زندگی ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہے اور بالآخر علمائے دیوبند کی اس عظیم نشانی نے ۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نماز عصر داعی اجل کو لبیک کہا۔

استاد کی خدمت:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے رفقاء حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ساتھیوں کے ہمراہ گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں بھیج دیا گیا۔ یہ حضرات وہاں چار سال مقید رہے۔ ان حضرات کے تقویٰ وزہد اور صبر واستقامت کا دوسرے قیدیوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ کئی قیدی جو من تھے وہ تو بندۂ بے دام بن

گئے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسیری کے دوران قرآن پاک حفظ کیا اور حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ شب و روز گزار کر کندن بن گئے۔ آپ نے اپنے استاد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بے مثال خدمت کی کہ جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ضعیف العمر اور مریض تھے۔ ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے تکلیف ہوتی تھی اور مالٹا میں بلا کی سردی پڑتی تھی مگر گرم پانی کہاں سے آتا۔ حضرت استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کے لئے مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نماز عشاء اور دیگر ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد برتن میں پانی بھر لیتے اور اسے پیٹ سے لگا کر سجدہ کی حالت میں ساری رات اوپر پڑے رہتے۔ پھر تہجد کے وقت بکمال ادب و احترام استاد محترم کی خدمت میں گرم پانی پیش کر دیتے تھے۔

خدمت کی برکت:

مولوی ہدایت اللہ ساکن میاں چنوں ضلع خانیوال راوی ہیں کہ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت! آپ ساڑھے چار سال حضرت شیخ کی خدمت میں رہے۔ آپ کی اس صحبت میں کوئی دوسرا حائل ہونے والا نہیں تھا۔ آپ نے اس دوران بہت کچھ حاصل کیا ہوگا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے، مولوی صاحب! میں نکما تھا کہ کچھ حاصل نہیں کر سکا۔ میں نے پھر بار بار عرض کیا تو فرمایا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ میں نے نیند پر قابو پا لیا تھا۔ اب جب خیال آئے سو جاتا ہوں اور جس وقت اٹھنا چاہوں بیدار ہو جاتا ہوں۔ پانچ دس منٹ کے لئے بھی سو سکتا ہوں۔ ارادہ کروں تو نیند آ جاتی ہے۔ اس قسم کی بہت سی حکایتیں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہیں کہ کسی جگہ گئے وہاں پانچ دس منٹ فرصت ملی، سو گئے اور خود بخود اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہر حال نہ صرف نیند پر قابو پانا استاد کی خدمت کرنے سے حاصل ہوا بلکہ معرفت کے وہ دریا ہضم کئے ہوئے تھے جس کا

ایک گھونٹ بھی بے خود کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

ختم بخاری کی مجلس:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ یہ لقب بخاری شریف کا ہے کہ یہ کتاب اللہ کے بعد دنیا میں صحیح ترین کتاب ہے۔ صحیح بخاری شریف کے ختم کے موقع پر جب آپ اپنے مخصوص لہجہ میں آخری حدیث کی تلاوت شروع فرماتے تو قلوب پر رقت طاری ہونے لگتی تھی۔ آپ حاضرین پر روحانی توجہ فرماتے تو تمام لوگ زار و قطار رونے لگتے تھے اور دل کانپ جاتے تھے۔ لوگ توبہ استغفار اس طرح سے کرتے تھے کہ جیسے دربار خداوندی میں حاضر ہیں اور رو رو کر اپنے گناہوں سے معافی چاہ رہے ہیں۔ اس موقع پر جو دعا مانگی جاتی تھی وہ ایسے تھی کہ آنکھیں اشکبار، دل مضطرب، زبان لڑکھڑاتی ہوئی، جسم کا رواں رواں کانپتا تھا۔ غرض ہر شخص ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا اور توبہ استغفار کرتا تھا۔

احوال وواقعات:

ماضی قریب کے اس درویش کامل کی شان عجیب تھی۔ عبادت وریاضت میں وہ جنید وشبلی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تھے، علم وفضل میں بخاری ورازی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تھے، اصلاح وتجدید میں وہ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی صف میں کھڑے نظر آتے تھے اور خدمت خلق میں وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی معلوم ہوتے تھے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بے حد متواضع اور خاکسار تھے۔ سفروں میں جاڑے کی راتوں میں پلیٹ فارم پر کسی کونہ میں مصلے پر کھڑے ہو کر تہجد میں مشغول ہوتے۔ خدام عرض کرتے تھے کہ حضرت ویٹنگ روم میں کیوں نہ کھڑے ہو گئے۔ تو جواب ملتا ہے

کہ مسافروں کی نیند خراب ہوتی ہے۔ مجھ جیسے شیخی خور اور روسیاہ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو پریشان کرے۔

بعض اوقات رات کو 12 بجے بخاری شریف کا درس دے کر فارغ ہوتے تھے۔ سیدھے مہمان خانے میں تشریف لاتے اور مہمانوں کے بستر اور تکیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دیہاتی مہمان کو تکلیف میں پایا تو بذات خود اس کی تکلیف رفع کرنے میں لگ گئے۔ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کا یہ حال کہ ایک قدم بھی شریعت وسنت کے خلاف نہیں اٹھتا تھا۔ بندگی کا اتنا گہرا رنگ کہ اگر کوئی عقیدت کے جوش میں ہاتھ چومنے کے لئے ذرا جھکتا تو ہاتھ کھینچ لیتے۔ کسی کو پیر دبانے کی اجازت نہیں تھی۔ اور خود رات کو سوتے میں اپنے مہمانوں کے پاؤں دباتے رہتے۔ پھر توجہ الی الخلق کا یہ عالم کہ بندگان الٰہی کو انگریزی سامراج کے ظلم کی چکی میں پستا ہوا دیکھا تو پوری قوت سے آزادی وطن کے لئے میدان میں اتر آئے۔ اور انسانیت سوز مظالم اور برطانوی سامراج کے مذموم ارادوں کی مذمت میں تقاریر فرما کر کمزوروں میں حریت وآزادی کی تڑپ پیدا کردی۔ ذکر الٰہی اور محبت رسول ﷺ پر وعظ فرماتے تو دلوں کو نور ایمان سے روشن کر دیتے۔

مخلوق سے استغنا:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت پاتے ہی اپنے والدین کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ وہاں پہلے سے نہ کوئی جائیداد تھی، نہ وہاں اپنا کوئی کاروبار چل رہا تھا اور نہ ہی کوئی ذریعہء معاش تھا۔ عام لوگ ہجرت کر کے جاتے تھے حکومت سے وظیفہ پانے کے خواہشمند ہوتے تھے۔ مگر حضرت مدنیؒ اور ان کے والد محترم نے اسے پسند نہ کیا۔ حضرت مدنیؒ ایک مدرسہ کی خدمت کرنے لگ گئے۔

کتابیں بھی نقل کیں ۔ آپ کے والد محترم نے ایک چھوٹی سے دکان کھول لی ۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب کا بیان ہے کہ ان کے والد ماجد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب نے جو مدینہ طیبہ کے کامیاب ڈاکٹر تھے، حد درجہ اصرار کیا کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا عبدالحق کو بطور ٹیوشن تعلیم دیں ۔ لیکن عین اس زمانہ میں جب کہ فاقہ کی یہ حالت تھی کہ گھر کے تیرہ افراد تین پاؤ مسور کے پانی پر قناعت کرتے تھے ۔ ٹیوشن لینا گوارا نہ کی ۔ البتہ اس کے لئے آمادہ تھے کہ بلا معاوضہ جیسا کہ حرم شریف میں طلبہ کو درس دیتے ہیں، مولانا عبدالحق کو بھی درس دیتے رہیں گے ۔ طرفین سے یہ اصرار عجیب تھا اور اس میں تقریباً چھ ماہ گزر گئے ۔ بالآخر ڈاکٹر صاحب کو پسپا ہونا پڑا ۔ کتنا عرصہ بغیر کسی معاوضہ کے پڑھاتے رہے ۔ اتنی بے تکلفی اور یگانگت کے باوجود ان حضرات کو یہ علم نہ ہوسکا کہ گھر میں اکثر فاقے ہوتے ہیں ۔ معلوم اس وقت ہوا جب تنگدستی خوشحالی میں بدل چکی تھی ۔

دست بکار دل بیار:

جب آپ نماز میں مشغول ہوتے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ بندہ سارے عالم سے دستبردار ہوکر اپنے معبود کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہے ۔ اور بارگاہ خداوندی میں باریابی حاصل کررہا ہے ۔ جو آیت بھی نماز میں تلاوت فرماتے سننے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا قرآن اب اتر رہا ہے اور وہ کیفیت طاری ہوتی کہ جس کا بیان دشوار ہے ۔ بارہا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سفر میں ہیں یا سفر کی مشقت برداشت کرکے ابھی آئے ہیں اور پھر سفر کرنا ہے مگر جب نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تو ایسی شان اور وقار کے ساتھ پڑھتے کہ گویا نہ پہلے کوئی تھکن ہے نہ آئندہ کوئی سفر کرنا ہے ۔ ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اور ''دست بکار دل بیار'' کے پورے مصداق تھے ۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا

تھا جب انتہائی سوز وگداز کے ساتھ یا حي یا قیوم برحمتك استغیث بار بار پڑھتے تھے۔ وصال سے ایک روز قبل کوئی صاحب دم کروا رہے تھے کہ حضرت نے انتہائی بے قراری سے بار بار یہی پڑھا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا، حضرت! کیا کوئی تکلیف ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہی تکلیف کیا کم ہے کہ آپ حضرات مشغول ہیں اور میں بے کار پڑا ہوں؟ عرض کیا گیا، حضرت! آپ نے تو بہت کام کیا ہے۔ اتنا تو ایک جماعت بھی نہیں کر سکتی۔ ارشاد فرمایا، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

سادگی و بے تکلفی:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت اور عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنما کی تھی اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم، ملکی ہو یا غیر ملکی، آپ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سنت نبوی ﷺ کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ سنت کے موافق چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دسترخوان استعمال ہوتا تھا۔ جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دسترخوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت بھی ہوتے تھے اور ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا۔ یہی حضرت کا اور تمام مہمانوں کا ناشتہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا، ہم آپ حضرات کے ہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے کھلاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور مرچ کھانا پڑتی ہے۔ اس پر مولانا احتشام الحق کاندھلوی

نے فرمایا کہ حضرت! باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہیں۔

رعب اور دبدبہ:

انتہائی خاکساری کے باوجود حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ وقار و تمکنت کا کوہ طور یا کوہ نور تھے۔ ایک خاص نوع کا ہیبت و جلال چہرے پر عیاں تھا۔ باوجود یہ کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہنس ہنس کر باتیں فرمایا کرتے تھے مگر مخاطب کا دل اندر سے لرزتا رہتا تھا اور بمشکل بات کی جاسکتی تھی۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی فرماتے تھے کہ میرا حال بھی یہی تھا حالانکہ کہ میں اپنی نالائقی کی وجہ سے تمام بزرگوں سے بات کرنے کا عادی تھا۔ حتیٰ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی بے دھڑک جو جی میں آتا تھا کہہ دیتا تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کبھی ناگواری کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر ہم عصر بزرگ فرماتے کہ ''حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ڈر لگتا ہے''۔ بارہا ایسا ہوا کہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کسی خاص مقصد اور بات کے لئے دیوبند گئے، وہاں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بے تکلف ملاقات ہوئی اور ہنس ہنس کر باتیں ہوئیں۔ مگر مقصد کی بات زبان پر نہ لا سکے اور واپسی کے بعد فرمایا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

اخلاق حمیدہ:

ہندوستان کے مشہور کیمونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 1946 میں کیمونسٹ پارٹی کو مسلمانوں کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں رپورٹ پیش کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے لئے دیوبند حاضر

ہوا۔ خلوت میں مطالعہ کتب کا بھی موقع ملا۔ مولانا کے یہاں تقریباً سبھی لوگ قیام اللیل کے عادی تھے۔ ایک دن تو میں رات کو بمشکل ایک گھنٹہ سویا تو فجر کے وقت تکبیر بالجہر سے اٹھ بیٹھا۔ دوسرے دن بھی یہی کیفیت ہوئی تو حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت تو درست ہو نہ ہو میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو جائے گا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور علیحدہ کمرہ میں بندوبست کرد ادیا۔ دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی۔ چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا۔ دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے کچھ غنودگی سی ہوئی کہ میں نے ایک ہاتھ ٹخنے پر محسوس کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کردیئے۔ میں چوکنا ہوگیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بنفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میں نے جلدی سے پاؤں سکیڑ لئے اور بڑے ادب و لجاجت سے حضرت کو روکا۔ مولانا نے حسرت سے فرمایا، آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں؟ کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کرسکوں۔ مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گزری میرے لئے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ ان کے اخلاق اور فراخدلی کا ادنیٰ سا نمونہ تھا۔

قناعت:

حضرت مولانا کو برٹش حکومت نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پر بلایا مگر آپ نے پیشکش کو قبول نہ کیا۔ حکومت مصر نے جامع الازہر میں شیخ الحدیث کی مسند کے لئے ایک ہزار روپے ماہوار مشاہرہ، مکان، موٹر اور سال میں ایک دفعہ ہندوستان آنے جانے کا کرایہ دینے کی پیش کش

کی مگر مولانا نے وہاں تشریف لے جانے سے صاف انکار فرما دیا اور دیوبند کی معمولی سی تنخواہ پر قناعت کر لی۔

استغنا:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد وتقویٰ کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ دارالعلوم کی مدت سے خدمت کررہے تھے۔ پانچ سال کا طویل عرصہ دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں گزار دیا۔ مگر ان دنوں کے علاوہ جن میں پڑھاتے بقیہ ایام کی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ مرض الوفات میں ایک مہینہ کی رخصت بیماری وغیرہ اور اس کے علاوہ کچھ چھٹیاں جو قانوناً آپ کا حق تھا نہیں لی تھیں۔ وہ بیماری میں شمار ہوئیں۔ ان سب دنوں کی تنخواہ جو ایک ہزار روپے سے کچھ زیادہ ہوتی تھی مدرسہ نے بھیجی تو یہ فرما کر واپس کر دی کہ جب میں نے پڑھایا نہیں تو تنخواہ کیسی؟

والدین کی اطاعت:

''نقش حیات'' جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خودنوشت سوانح ہے، اس سے بڑی مختصر تحریر میں اور بڑے بے تکلف انداز میں اپنی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بسا اوقات میں مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھا ہوا کتاب پڑھ رہا ہوتا تھا اور آدمی آ کر کہتا کہ والد صاحب بلا رہے ہیں۔ طلبہ کو رخصت کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ اینٹ مٹی اٹھانے والا مزدور نہیں آیا تم اس کام کو انجام دو۔ بحالت مجبوری تمام دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطل کرنا پڑتا۔ بسا اوقات ایک ایک دو دو ہفتہ اسباق کو معطل کر کے تمام اوقات اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنے پڑتے''۔

مخلوق خدا کی خدمت:

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے۔ حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف جو کہ ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے تھے، دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو فراغت کا تقاضہ ہوا۔ وہ رفع حاجت کے لئے بیت الخلاء میں گئے اور الٹے پاؤں بادل نخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مدنی سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر لیٹرین میں گئے، اچھی طرح صاف کیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جایئے لیٹرین بالکل صاف ہے۔ وہ بڑا متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر اسی ڈبہ میں موجود خواجہ نظام الدین تونسوی نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ مولانا حسین احمد مدنی ہیں۔ خواجہ صاحب نے اس وقت بے اختیار ہو کر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں کو چھو لیا اور پاؤں سے لپٹ کر رونے لگے۔ حضرت نے جلدی سے پاؤں چھڑا لئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف بہت فتوے دیئے اور برا بھلا کہا۔ اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔

حضرت نے فرمایا، میرے بھائی! میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا۔ جب اپنی بھولی ہوئی تلوار واپس لینے آیا

تو دیکھا کہ حضور ﷺ بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

ادلے کا بدلہ:

مولانا عبداللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ لاہور کے دہلی مسلم ہوٹل میں بہت مدت تک خطیب رہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قیام کیا۔ ایک روز جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے گیا تو میں نے آپ کا جوتا اٹھالیا۔ آپ اس وقت تو خاموش رہے لیکن دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھنے کے لئے گئے تو آپ نے میرا جوتا اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔ میں پیچھے بھاگا۔ مولانا نے تیز چلنا شروع کر دیا میں نے کوشش کی کہ جوتا لے لوں مگر نہیں لینے دیا۔ میں نے کہا کہ خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھئے۔ فرمایا کہ عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے۔ میں نے عہد کر لیا۔ تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا۔

گرفتاری:

1936ء میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے آپ کو کہا گیا کہ دہلی جا کر سول نافرمانی کرنا اور گرفتار ہونا آپ پر لازم ہے۔ آپ کی طبیعت سخت علیل تھی۔ ٹانگوں میں زخم تھے اور چلنا پھرنا دشوار تھا۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے مقصد روانگی کا علم ہوا تو کہلا بھیجا کہ اس حالت میں سفر نہ کریں اور تاریخ بدل دیجئے۔ مگر حضرت نے گوارا نہ فرمایا اور اسی حالت میں روانہ ہو گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا تھا۔ دیوبند اسٹیشن پر کثرت ہجوم کے باعث پولیس کو جرأت نہ ہوئی۔ دیوبند سے اگلے اسٹیشن پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

نے وہ نوٹس پیش کیا۔ آپ نے فرمایا، میں انگریزی نہیں جانتا۔ اس نے کہا، قلم دیجئے تا کہ اردو میں ترجمہ کر دوں۔ حضرت نے فرمایا کیا خوب، اپنے ذبح کرنے کے لئے اپنا ہتھیار تمہیں دے دوں۔ وہ خاموش ہو گیا اور گاڑی چل پڑی۔ وہ افسر مظفر نگر اسٹیشن پر ترجمہ کر کے لایا۔ اس میں لکھا تھا کہ حاکم سہارنپور کی طرف سے آپ کو نوٹس جاری کیا جاتا ہے کہ آپ آگے نہ جائیں ورنہ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔ فرمایا کہ اب میں سہارنپور کی حدود سے آگے ہوں لہٰذا یہ نوٹس قابل قبول نہیں۔ افسران یہ جواب سن کر حیران رہ گئے۔ بعد میں مجسٹریٹ نے جو ساتھ ہی تھا کہا کہ آپ کو اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر نوٹس دوں گا۔ چنانچہ اس نے اسی اسٹیشن پر دوسرا تحریری نوٹس پیش کیا اور گرفتاری عمل میں آئی۔ حضرت کی یہ حالت تھی کہ گاڑی سے اتر کر دو قدم بھی چلنا دشوار تھا۔ اسی جگہ تھوڑی دیر کے لئے کرسی رکھ دی گئی اور اس پر حضرت بیٹھ گئے۔ ان تمام تکالیف کے باوجود فریضہء جہاد آزادی کو چھوڑنا یا ملتوی کرنا گوارا نہیں فرمایا۔

کھانے میں برکت:

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے مشکوٰۃ شریف کے درس کے دوران کتاب المعجزات کے ضمن میں حضرت کا ایک واقعہ قسم کھا کر سنایا۔ اس موقع پر سو سے زیادہ طالب علم موجود تھے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک روز حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ اتفاق سے اس وقت مہمان تھوڑے تھے۔ حضرت شیخ نے دعوت قبول فرمالی۔ جب کھانے کا وقت آیا تو مہمان زیادہ آ گئے۔ حضرت شیخ تمام مہمانوں کو لے کر تشریف لے آئے۔ مہمانوں کی کثرت دیکھ کر مجھے پریشانی ہوئی۔ حضرت نے محسوس فرما لیا اور مجھے علیحدہ لے گئے۔ میں نے عرض کیا کہ تھوڑی دیر ٹھہریں میں اور انتظام کر لوں۔ حضرت نے

فرمایا، یہی کھانا کافی ہو جائے گا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق تمام روٹی اور ترکاری آپ کے پاس لاکر رکھ دی گئی اور روٹیوں پر کپڑا ڈھک دیا گیا۔ اب حضرت شیخ نے اپنے ہاتھ سے نکال کر کھانا دینا شروع کیا۔ وہی کھانا کافی ہو گیا۔ گھر والوں نے بھی کھالیا اور کچھ بچ بھی گیا۔

ایثار و قربانی:

شیخ العرب والعجم کا معمول تھا کہ عشا کے بعد سے بارہ بجے تک حدیث کی سب سے بڑی مہتم بالشان کتاب بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ مولانا فیض اللہ لائین اٹھانے پر مامور تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک رات آپ نصف شب کو سردی کے موسم میں مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک خستہ حال مہمان بوسیدہ کپڑے میں ملبوس چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان سے پوچھیں کہ کیوں بیٹھے ہیں؟ اور پھر خود ہی جا کر پوچھا تو اس مہمان نے جواب دیا کہ کسی صاحب نے مجھے دستر خوان سے اٹھا دیا ہے اور میرے پاس لحاف بھی نہیں ہے۔ حضرت پر اس کا بڑا اثر ہوا اور بار بار ان دستر خوان سے اٹھانے والے کا نام پوچھا مگر پتہ نہ چلا فوراً اندر تشریف لے گئے اور کھانا لے کر خود باہر تشریف لائے۔ جب تک اس مہمان نے کھانا نہیں کھایا آپ باہر ہی بیٹھے رہے۔ سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے۔ حضرت اندر گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے۔ اس کو بچھا دیا اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گزار دی۔ مولانا فیض اللہ کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں مگر اس پیکر سنت نے اس کو گوارا نہ کیا۔

استقامت:

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے علما میں ترک تعلق نہ

ہونا چاہئے۔ایک دوسری مجلس میں فرمایا کہ جب میں کراچی جیل سے 1923ء میں رہا ہو کر آیا تھا تو اس وقت بنگال کونسل کے ایک ممبر نے کہا کہ چالیس ہزار روپیہ نقد اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچ سو روپیہ ماہانہ کی پروفیسری آپ کے لئے حاضر ہے، اس کو منظور فرمالیں۔میں نے کہا کام کیا کرنا ہوگا؟ ممبر صاحب نے فرمایا کچھ نہیں، آپ صرف تحریکات میں خاموش رہیں۔میں نے کہا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جس راستہ پر لگا گئے ہیں میں اس سے نہیں ہٹ سکتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فرزند ارجمند اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت کے بھتیجے ہیں۔ آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔اول تا آخر تمام تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی۔۱۳۴۴ھ میں دورہ حدیث کر کے سند فراغت حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں ہی مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد اپنی اعلیٰ صلاحیت کی وجہ سے صدر مدرس مقرر ہوئے۔حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب عطا فرمایا۔آپ نے روحانی اور اصلاحی تعلق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ سے قائم فرمایا اور علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن میں بھی خوب فیض حاصل کیا اور خلافت سے نوازے گئے۔

حضرت سہارنپوری کے وفات بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ سے تعلق قائم کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔ ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں بسر کی۔ آپ ایک بڑے عالم باعمل، متبع سنت اور حق وصداقت کا پیکر تھے۔ تواضع وانکساری میں اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ بڑے بڑے علماء آپ کے تلمیذ ومرید تھے۔ آپ نے بہت سی شاہکار کتب تصنیف کیں جو علماء اور عوام میں بہت مقبول ہوئیں۔ اپنی زندگیکے آخری دن آپ نے مدینہ منورہ میں گزارے۔ آپ نے 24 مئی 1962ء کو مدینہ منورہ میں ہی جان جان آفریں کے سپرد کی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت:

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان دنوں والد محترم کا قیام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مستقل طور پر گنگوہ میں رہا کرتا تھا۔ میری عمر ابھی ڈھائی سال کی تھی۔ حضرت گولر کے درخت کے نیچے چار زانو بیٹھے ہوتے تھے۔ میں حضرت کے پیروں پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹتا۔ فرماتے ہیں کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا تو راستہ میں کھڑا ہو جاتا، جب حضرت سامنے سے گزرتے تو میں بڑی قرأت سے اور بلند آواز سے کہتا، السلام علیکم۔ حضرت بھی ازراہ محبت وشفقت اسی لہجے میں جواب مرحمت فرماتے۔ حضرت شیخ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں کھیلنا، حضرت کے گھٹنوں پر پاؤں رکھنا اور گردن میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہونا، حضرت کے ساتھ عیدین کے موقع پر پالکی میں بیٹھ کر عیدگاہ آنا جانا ہوتا تھا جس کے اٹھانے والے بڑے بڑے علما اور مشائخ ہوتے تھے۔ اور بسا اوقات حضرت کے ساتھ کھانا کھانا اور حضرت کے پس خوردہ کا تن تنہا وارث بننا اب بھی آنکھوں کے سامنے

ہے۔

بچوں کی تربیت:

اس زمانے کے بزرگ بچوں کی اخلاقی تربیت اوران کی ذہنی نشو ونما کے لئے بعض خاص قسم کے طریقے اختیار کرتے تھے۔مولانا یحییٰ صاحب کوخاص طور پراس کا اہتمام تھا۔شیخ الحدیث نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جب میری عمر 13 سال تھی، والد صاحب نے کاندھلہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔میں خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا تھا۔ وہاں جانے کے لئے دن گننے لگا اورعید کے چاند کی طرح اس کا انتظار کرنے لگا۔ چند دن کے بعد والد صاحب نے یہ ارادہ ملتوی فرمادیا۔مجھے اس پر تعجب بھی ہوااور ملال بھی۔ایک روز فرمایا کہ تجھے کاندھلہ جانے کی بے حد خوشی تھی اور تجھ پر اس کا شوق اتنا غالب آ گیا کہ میں نے اسی وجہ سے اس کو ملتوی کر دیا کیونکہ اس پر اتنا خوش ہونا اوراس کا اتنا شوق وارمان رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔

زندگی بھر کی مصروفیت:

حضرت شیخ الحدیث کے والد محترم نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا لیکن شیخ کی سات برس کی عمر تک بسم اللہ بھی نہیں ہوئی۔اس عمر تک تعلیم شروع نہ ہونے پر خاندان کے بزرگوں کو تعجب تھا۔دادی صاحبہ جو کہ خود حافظہء قرآن تھیں انہوں نے اپنے لائق فرزند سے ایک دفعہ فرمایا ''یحییٰ! اولاد کی محبت میں اندھے نہیں ہوتے،تو نے تو سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا تھا، یہ اتنا بڑا بیل پھر رہا ہے آخر اس سے جوتے گھٹوائے گا یا کیا کرائے گا''؟ مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے والدہ صاحبہ کی اس بات کے جواب میں فرمایا'' جب تک کھیلتا ہے اس کو کھیل لینے دیجئے۔جس دن یہ کولھو میں سر دے گا تو قبر میں جا کر ہی دم لے گا''۔

قرآن مجید کی تلاوت:

قرآن مجید کا حفظ کرنا اس خاندان کا خصوصی شعار اور تعلیم کا پہلا ضروری مرحلہ تھا۔ اسی کے مطابق حفظ کا سلسلہ شروع کرایا گیا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کا تعلیم و تربیت کا نرالا ہی دستور تھا۔ وہ ایک صفحہ کا سبق دے دیتے اور فرماتے کہ اس کو سو مرتبہ پڑھ لو پھر دن بھر چھٹی ہے۔ فطرت انسانی اور تقاضائے عمر سے بڑے بڑے ہونہار بچے بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ شیخ فرماتے کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک صفحہ سو مرتبہ پڑھنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ میں بہت جلدی آ کر کہہ دیتا کہ سو مرتبہ پڑھ لیا۔ والد صاحب اس پر زیادہ جرح قدح نہ فرماتے تھے۔ اگلے دن کا سبق یاد کرنے کے بعد آ کر کہتا کہ کل تو بس ایسے ہی پڑھا تھا، آج ٹھیک ٹھیک سو مرتبہ پڑھا ہے۔ فرماتے کہ آج کے سچ کی حقیقت تو کل معلوم ہوگی۔ سہارنپور آ جانے اور عربی شروع ہو جانے کے بعد بھی یہ حکم ہوتا تھا کہ ایک پارہ کو اتنی مرتبہ پڑھ لو۔ مغرب کے بعد ایک صاحب اس کو سنتے تھے، اس میں خوب غلطیاں نکلتی تھیں۔ اس پر سہارنپور کے مشہور وکیل مولوی عبداللہ جان صاحب نے جن کو اس خاندان سے بڑا گہرا تعلق تھا، مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ایک روز کہا کہ زکریا کو تو قرآن یاد نہیں۔ مولانا نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ ہاں اسے قرآن بالکل یاد نہیں۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا کہ کیا بات ہے؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اسے عمر بھر کرنا ہی کیا ہے؟ قرآن ہی پڑھنا ہے یاد ہو جائے گا۔

اکابر سے محبت:

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی تربیت کے نرالے انداز اور ان کی ذہانت اور سلامت فہم کے عجیب واقعات ہیں۔ ایک دفعہ جب شیخ کی فقہ کی تعلیم شروع ہوئی تو

اس افتتاح کے موقع پر مولانا نے شیخ کو بیس روپے انعام کے طور پر عطا فرمائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ان کا کیا کرو گے؟ شیخ نے جواب دیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اکابر اربعہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی، حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پانچ پانچ روپے کی مٹھائی پیش کروں۔ بڑی مسرت کے ساتھ اس کی تصویب فرمائی۔ پھر دریافت فرمایا کہ کون سی مٹھائی؟ شیخ نے متفرق مٹھائیوں کے نام لئے۔ فرمایا لا حول ولا قوۃ ان میں سے کون ایسا ہے جو مٹھائی کھائے گا؟ تمہاری خاطر ایک آدھ ٹکڑا چکھ لیں گے اور باقی سب دوسروں کی نذر ہو جائے گی۔ ایسا کرو کہ پانچ روپے کی مصری خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دو ایک مہینہ تک تمہاری ہی مصری کی چائے نوش فرمائیں گے۔ چنانچہ تعمیل کی گئی۔ بقیہ اکابر ثلاثہ کی خدمت میں پانچ پانچ روپے نقد مختلف اوقات میں پیش کئے گئے۔ ان سب حضرات نے بڑی مسرت سے قبول فرما کر دعائیں دیں۔

تعلیمی انہماک:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالب علمی کے دنوں میں ایک دفعہ میرا اپنا جوتا کسی نے اٹھا لیا۔ تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتا خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلا میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے وہاں رکھ دیئے جاتے تھے جو ابھی تک دستور چلا آ رہا ہے۔ بیت الخلاء کے لئے وہی پرانے جوتے استعمال کر لیتا تھا مجھے کسی بھی اور ضرورت کے واسطے مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا اور نہ ہی جوتے کی

ضرورت ہوئی۔

دنیا سے بے رغبتی:

حضرت شیخ کو چاٹگام یا ڈھاکہ کے مدرسہ عالیہ سے شیخ الحدیث کے منصب کی پیش کش ہوئی۔ جس کی بارہ سو روپے تنخواہ تھی اور صرف ترمذی شریف اور بخاری شریف پڑھانا تھی۔ پہلے خط آیا، پھر ارجنٹ تار آیا کہ خط کے جواب کا سخت انتظار ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ تار کے جواب میں تو میں نے صرف یہ لکھ دیا کہ معذوری ہے۔ خط میں مفصل لکھا کہ جن دوستوں نے میرا نام آپ کو دیا ہے، انہوں نے محض حسن ظن سے کام لے کر غلط روایات پہنچائی ہیں۔ یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں ہے۔

ایثار کی انتہا:

حضرت کے ایثار کا ایک حیرت انگیز واقعہ جو اس زمانہ کے لحاظ سے ناقابل قیاس اور بہت سے لوگوں کے لئے ناقابل یقین ہوگا وہ یہ ہے کہ ایک ایسے بزرگ عالم کے انتقال پر کہ جن کے ساتھ مل کر شیخ نے بہت عرصہ کام کیا تھا، اور جن سے کچھ تلمذ کا رشتہ بھی تھا، جب ان کے ترکہ کی تقسیم کے وقت اور قرض کے تصفیہ کے لئے ان کی ورثاء اور اہل تعلق جمع ہوئے تو ورثا نے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لینے سے جو غالباً پانچ ہزار کی مقدار میں تھا، صاف معذرت کر دی۔ شیخ نے بے تکلف اس کو اپنے ذمہ لے لیا اور ادا فرما دیا۔

مجلس شعر و سخن:

حضرت کا شعری و ادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا۔ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آغاز جوانی میں ایک دوسرے قصبے میں شب کو جانا ہوا۔ وہاں کچھ بے تکلف دوست جمع تھے۔ وہاں عشا کے بعد بیت بازی شروع ہوئی جو

اس زمانہ کے مہذب، زندہ دل نوجوانوں اور قصبات کے شرفاء کا محبوب ومفید مشغلہ تھا۔ اس میں ایسا انہماک ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا کہ کتنی رات چلی گئی۔ اچانک اذان کی آواز آئی تو خیال ہوا کہ کسی نے بے وقت اذان کہہ دی ہے ابھی تو بیٹھے ہی تھے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ صبح صادق ہوگئی ہے اور یہ فجر کی ہی اذان تھی۔

تصنیف وتالیف کا ذوق:

درس وتدریس کے انہماک، ذکر ونوافل کی یکسوئی، مہمانوں کی کثرت اور واردین وصادرین کے ہجوم کے باوجود شیخ کی طبیعت میں شروع ہی سے تصنیفی ذوق اور تحریری کام میں انہماک ودیعت تھا۔ اور جب پہلی دفعہ مشکوٰۃ پڑھا رہے تھے تو 22 ربیع الاول کی شب میں 12 بجے حجۃ الوداع پر لکھنا شروع کیا اور ایک دن ڈیڑھ رات میں شنبہ کی صبح کو پورا کرلیا۔

مال سے قلبی انقطاع:

حضرت شیخ فرماتے ہیں، میری عمر تین چار سال کی تھی، ابھی اچھی طرح سے چلنا بھی نہیں سیکھا تھا، سارا منظر خوب یاد ہے اور ایسی باتیں اوقع فی الذہن ہوا کرتی ہیں۔ میری والدہ نوراللہ مرقدھا کو مجھ سے عشق تھا۔ ماؤں کو بیٹوں سے محبت تو ہوا ہی کرتی ہے مگر جتنی محبت ان کو مجھ سے تھی اللہ ان کو بہت بلند درجے عطا فرمائے۔ اس وقت انہوں نے میرے لئے ایک بہت ہی خوبصورت چھوٹا سا تکیہ سیا تھا۔ وہ ایک بالشت چوڑا اور ڈیڑھ بالشت لمبا تھا اس کی ہئیت بھی کبھی نہیں بھولوں گا۔ اس کے اوپر گوٹہ ٹھپہ، گوکھرو، کرن بنت وغیرہ سبھی کچھ جڑا ہوا تھا۔ نیچے لال قند کا غلاف اور اس کے اوپر سفید جالی کا جھالر بہت ہی خوشنما لگتا تھا۔ وہ مجھے اتنا محبوب تھا کہ بجائے سر کے نیچے رکھنے کے اسے میں اپنے سینے کے اوپر رکھتا تھا۔ کبھی اس کو پیار کرتا، کبھی

سینے سے چمٹایا کرتا۔ والد صاحب نے آواز دے کر فرمایا کہ زکریا! مجھے تکیہ دے دو۔ مجھے پدری محبت نے جوش مارا اور اپنے نزدیک انتہائی ایثار اور گویا دل پیش کر دینے کی نیت سے میں نے کہا ''میں اپنا تکیہ لے آؤں''؟ فرمایا کہ ادھر آؤ۔ میں انتہائی ذوق وشوق میں کہ ابا جان اس نیاز مندی اور سعادت مندی پر بہت خوش ہوں گے، دوڑا ہوا گیا۔ انہوں نے بائیں ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور داہنے ہاتھ سے منہ پر ایسا زور سے تھپڑ رسید کیا کہ آج تک تو اس کی لذت نہیں بھولا۔ اور مرتے وقت تک امید نہیں کہ بھولونگا اور یوں فرمایا کہ ''ابھی سے باپ کے مال پر یوں کہتا ہے کہ اپنا لاؤں، کچھ کما کر ہی کہنا کہ اپنا لاؤں''۔ اللہ کا ہی فضل وکرم ہے اور محض اس کا ہی لطف واحسان ہے کہ اس کے بعد جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اپنا تو اس دنیا میں کوئی مال نہیں ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ دن بدن یہ مضمون پختہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

تبلیغی احباب سے محبت:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعتوں اور دوسرے مہمانوں کی مدارات میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ ہر ایک کی چائے اور طعام کا خیال رکھنا اور ہر ایک سے نہایت تپاک سے ملنا آپ کا خصوصی جوہر تھا۔ ایک مرتبہ ایک تبلیغی بھائی نے مصافحہ کیا اور دعا کے لئے عرض کیا تو فرمایا، بھائی! آپ لوگ بڑا کام کررہے ہیں، دین کے لئے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں، میرا کیا ہے میں یہاں ایک ہی جگہ بیٹھا رہتا ہوں، آپ لوگ میرے لئے دعا کریں۔

ایک مرتبہ ایک تبلیغی بھائی نے محبت سے دو روپے پیش کئے آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا، ہرگز نہیں۔ آپ حضرات اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں مجھے ہی آپ حضرات کی مدد کرنا چاہئے نہ یہ کہ آپ میری مدد کریں۔ میں آپ حضرات کی کچھ بھی خدمت

نہیں کر پاتا۔

تقویٰ کی مثال:

حضرت شیخ نے خود اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ میرے والد صاحب قدس سرہ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا۔ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کی دوکان تھی، گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانے میں جامع مسجد کے قریب کی ایک طباخ کی دکان سے کھانا آیا کرتا تھا۔ سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا کھانا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کی مسجد کے حمام کے سامنے رکھوا دیتے تھے۔ اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ میں داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے۔

تصوف وسلوک کی حقیقت:

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھے۔ مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس احرار آئے ہیں۔ رائے پور جا رہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جلدی بلا دے۔ مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا، رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں۔ پرسوں صبح ہی واپسی ہے اس کا جواب واپسی میں لوں گا۔ سوال یہ ہے کہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا کہ ''صرف تصحیح نیت، اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتدا ''انما الاعمال بالنیات سے ہوتی ہے اور انتہاء ان تعبد اللہ کانك تراہ ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں اور اسی

کوحضوری کہتے ہیں۔

؎ حضوری گر ہی خواہی از و غافل مشو حافظ
متی ما تلق من تھوی دع الدنیا و اہلھا

حضرت شیخ نے کہا مولوی صاحب! سارے پاپڑ اسی لئے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اور مجاہدہ ومراقبہ بھی اسی واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہ کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کردے اس کو کہیں بھی اور جانے کی ضرورت نہیں۔

مرشد کی تنبیہ:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ پاک کے قیام میں جب یہ ناکارہ بذل لکھا کرتا تھا اور صبح کی چائے بعد سے مسلسل چھ گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تو ایک مرتبہ یہ نابکار، ناپاک، سیہ کار بذل لکھتے ہوئے نہ معلوم کن کن خرافات اور واہی تباہی خیالات میں مستغرق تھا۔ میرے حضرت قدس سرہ نے عبارت لکھواتے ہوئے نہایت تند وتیز لہجے میں ارشاد فرمایا'' من بتو مشغول وتو با عمرو زید''۔ میں حضرت کے اس ارشاد پر پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا کرتہ اور پاجامہ تک بھیگ گیا۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا بڑا قلق رہتا تھا کہ تھانہ بھون میں رہتے ہوئے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کا وقت نہیں ملتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ بہت قلق کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ لوگ بہت دور دور سے حاضر ہوتے ہیں لیکن یہ ناکارہ یہاں رہ کر بھی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتا۔ حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا جواب مرحمت فرمایا کہ میری مسرت کے لئے مرنے تک کافی ہے۔ حضرت نے فرمایا، مولوی صاحب! اس کا آپ بالکل فکر مت کریں۔ آپ اگرچہ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگر میں ظہر سے عصر تک آپ ہی کی مجلس میں رہتا ہوں۔ میں بار بار آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام تو یوں ہوتا ہے۔ میں آپ کو ظہر سے عصر تک اوراق سے سر اٹھاتے نہیں دیکھتا۔

مشکوٰۃ شریف کا آغاز:

حضرت شیخ اپنے آغاز مشکوٰۃ کا قصہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ 7 محرم الحرام 1332ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانے میں نماز آپ ہی پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد غسل فرمایا اور دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا اور اس کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر پندرہ بیس منٹ تک بہت دعائیں مانگیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا کیا دعائیں مانگیں۔ لیکن میں ان کی معیت میں اس وقت صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ! حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے اس کے ساتھ مجھے مرنے تک وابستہ رکھئے۔ اللہ جل شانہ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں اور سیئات کے باوجود ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ 1332ھ سے 1390ھ تک اللہ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو۔

اکابر کی راحت کا خیال:

ایک مرتبہ سہارنپور میں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہو رہا تھا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رائے پوری قدس سرہ سے فرمایا کہ حضرت جی! جون کا مہینہ ہے گرمی کی

شدت بھی ہے اور ہمارے ہاں راحت کی کوئی جگہ نہیں، اور یہ تبلیغ والے رات کو جلسے میں تھوڑی دیر کے لئے (برکت کے واسطے) شرکت کی خواہش اور درخواست مجھ سے کرائیں گے۔ پرسوں جلسہ ختم ہو جائے گا۔ ظہر کے وقت میں اور عزیز یوسف رائے پور حاضر ہوں گے۔ دو دن قیام کریں گے۔ دو دن تک رائے پور سے ہر آنے والے سے سنتا رہا کہ حضرت اقدس نے خوب دعائیں دیں اور ہر آنے والے سے فرماتے کہ میرا تو (سہارنپور میں) دو دن قیام کا ارادہ تھا مگر شیخ نہ مانا۔ محبت اسی کا نام ہے۔ میری راحت کو اپنی خواہش پر غالب کر کے رکھا اللہ تعالیٰ بہت بلند درجے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایسی ہی راحت دے۔

اکابر کا تقویٰ:

مظاہر العلوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا تو اکابر مدرسین وملازمین میں سے کسی کو جلسہ کا کھانا کھاتے یا چائے پیتے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ جملہ مدرسین حضرات وقت ملنے پر اپنا کھانا کھاتے تھے۔ البتہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے۔ مولانا عنایت الٰہی مہتمم مدرسہ شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے تھے آپ ظہر کے وقت اور رات کو بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھاتے تھے۔

مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اس زمانے میں مطبخ کے منتظم ہوتے تھے لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے، خود نہیں چکھتے تھے۔ جب وقت ملتا اپنے گھر جا کر کھانا کھاتے تھے۔ ان سب احتیاطوں کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہ جب مستقل قیام کے ارادہ سے حجاز تشریف لے گئے تو

اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے لئے وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ رہ گئے ہوں۔

عجز وانکساری:

شوال 1333ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز مقدس میں طویل قیام کے ارادے سے جارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہورہے تھے تو حضرت شیخ الحدیث زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیعت ہونے کا ارادہ کرلیا آپ نے اپنے مربی و آقا حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ مجھے بیعت فرمالیں۔ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو جاؤں تو آجانا۔ اس کے بعد بیعت ہوگئے۔

حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر کلاں حضرت مولانا سید احمد فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تاکہ وہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں۔ جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حضرت پیر ومرشد سہارنپوری بھی آبدیدہ ہوگئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر بھی موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع بھی تھی۔ ہندوستان میں تشہیر ہوجانے کے خوف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رائے پوری کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس اجازت وخلافت کی اطلاع نہ کریں مگر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کے اخفا پر تیار نہ ہوسکے اور آپ کے ذریعے اس کی تشہیر ہوگئی۔ پھر بھی حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے عرصہ تک بیعت لینے سے پہلوتہی فرماتے رہے۔

فقر وفاقہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے اکابر واسلاف نے کیسے افلاس وفقر اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی گزاری۔ اس سلسلہ میں اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے چچا جان نور اللہ نے مجھے ایک مرتبہ کارڈ لکھا کہ کئی دن سے تم کو ایک ضروری خط لکھنے کا تقاضا تھا مگر میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔ قرض لینے کو دل نہ چاہا۔ آج اللہ نے پیسے عطا فرمائے ہیں تو تم کو خط لکھ رہا ہوں۔

درس حدیث کی پابندی:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بیعت انہماک ودلسوزی اور نشاط وسرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے ایک شاگرد رشید فرماتے ہیں ایک بار موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ تمام سڑکوں پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا۔ تھا میں سوچ رہا تھا کہ بارش کا زور ختم ہو تو سبق میں حاضر ہوں۔ حضرت مولانا اسعد اللہ اس وقت دفتر نظامت میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل محسوس ہوتا ہے۔ باہر جا کر معلوم کرلو۔ چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آ کر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروشوں سے معلوم کیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے جب کہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا فاصلہ زیادہ ہے۔ سڑک پر پانی بہہ رہا تھا۔ میں بھی دارالحدیث میں حاضر ہوا۔ وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا۔ میں چپکے سے بیٹھ گیا کہ مبادا حضرت شیخ کی نظر پڑ

جائے مگر آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا، جانتے ہو، کیسے آیا ہوں؟ اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے میں چھتری تھی۔ جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا نصف راستے تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے باصرار مجھے رکشہ پر سوار کر لیا اور یہاں پہنچانے کے بعد میرے پیروں اور پاجامہ کے نچلے حصہ کو دھویا یہ ناکارہ سن کر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت 5 ربیع الثانی 1280ھ کو ہوئی خاندانی اعتبار سے آپ فاروقی النسل شیخ ہیں اور ایک بہت بڑے رئیس شیخ عبدالحق صاحب تھانوی کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی پرورش بہت ناز و نعمت میں ہوئی اور قدرت نے آپ کو عجیب مزاج سے نوازا تھا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے تھانہ بھون رہ کر پڑھیں اور 1295ھ میں آپ حصول تعلیم کیلئے دارلعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور 1301ھ میں فارغ التحصیل ہوئے آپ کے مربی اور شفیق اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا سید احمد صاحبؒ وغیرہ شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ 1301ھ میں کانپور تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کیا۔ چودہ سال تک وہاں درس و تدریس، افتاء اور واعظ و تبلیغ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1315ھ میں آپ کانپور سے تھانہ بھون واپس تشریف لائے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی

خانقاہ کو آباد کیا اور ایک مدرسہ اشرفیہ قائم کیا جہاں آخر دم تک دینی علمی اور روحانی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ دل میں تزکیہء باطن کی تڑپ پیدا ہوئی۔ آپ ابتداء میں حضرت گنگوہی سے بیعت ہونا چاہتے تھے مگر جب آپ کے والد ماجد حج پر تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے خدام میں داخل ہو گئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور ان کے تلقین کردہ ذکر وفکر میں مشغول ہو گئے۔ ان کے ذوق وشوق اور مزاج کو دیکھتے ہوئے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے بس ، یاں اشرف علی پورے پورے میرے طریقہ پر ہے۔ اور جب حضرت حکیم الامت کی کوئی تحریر دیکھنے یا تقریر سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرماتے جزاکم اللہ تم نے تو میرے سینے کی شرح کر دی۔

یوں تو چشم فلک نے بڑی بڑی عالم فاضل ہستیاں، بڑے بڑے عابد اور زاہد انسان اور بڑے بڑے متقی وتہجد گزار بندے اس خطہ ارضی میں دیکھے ہوں گے مگر شریعت وطریقت کا ایسا حسین امتزاج شائد ہی کسی نے دیکھا ہو جیسے کہ آپ تھے۔ کوئی صرف عالم ہوتا ہے اور طریقت سے کورا، کوئی محض صوفی ہوتا ہے اور علوم شرعیہ سے نا آشنا۔ حضرت حکیم الامت ایک ہی وقت میں صوفی بھی تھے، عالم بے بدل بھی، رومیء عصر بھی تھے اور رازیء وقت بھی۔ آپ نے جس طرح شریعت ظاہرہ کو جہالت وضلالت کی تاریکیوں سے نکالنے کا کام کیا اسی طرح طریقت باطنہ کو بھی افراط وتفریط کی بھول بھلیوں سے نجات دلائی۔ دراصل حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں طریقت کا خلاصہ یہی تھا کہ انسان بنو اور آدمیت سیکھو، چنانچہ آپ فرماتے تھے بھائی میں اپنی محفل کو بزرگوں کی محفل نہیں بنانا چاہتا، آدمیوں کی محفل بنانا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دور حاضر کے مجدد کے منصب پر فائز فرمایا تھا اس لئے حضرت تھانوی نے مسلمانوں کے ہر شعبہء زندگی میں بڑھتے ہوئے انحطاط کو دیکھ کر سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اپنے مواعظ حسنہ ملفوظات اور عام مجالس کے ذریعے لوگوں کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا وہاں آپنے اپنی عظیم تصنیفات کے ذریعے عوام وخواص کی رہبری فرمائی اور ان کو صحیح دین سے آشنا کیا۔ نشر واشاعت کے اس دور میں حضرت تھانوی کا یہ ایک عظیم اور امتیازی کارنامہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف آپ کے قلم سے رقم ہوئیں۔ ہر علم وفن پر تصانیف اس قدر تالیف فرمائیں کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ متقدمین ومتاخرین میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

آپ نہایت لطیف مزاج اور اصول وضوابط کے پابند تھے۔ مزاج کے اعتبار سے آپ کو مرزا مظہر جان جاناں ثانی کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ مترتب المزاج اور اصول وضوابط کے پابند نہ ہوتے تو اصلاح مسلمین کے اتنے عظیم کارنامے اور ہزاروں تصنیف وتالیف کے کام کو ہرگز پائیہ تکمیل تک نہ پہنچا سکتے۔ بلا شبہ آپ حکیم الامت اور مجدد ملت تھے اور آپ نے ساری زندگی خدمت اسلام میں گزاری۔ آپ 16 رجب المرجب 1362 مطابق 20 جولائی 1943ء اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی عمر 83 سال تھی۔

تعلیم وتہذیب:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نفسیات کے بڑے ماہر تھے اور مدعیان تہذیب جدید سے منٹوں میں بدتہذیبی کا اقرار کرا لینے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی ناگواری، ناراضی اور سختی اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتی تھی بلکہ مناسب موقع پر تعلیم وتہذیب کے لئے ہوتی تھی اور آپ دعویٰ سے فرماتے تھے کہ جس کو اسلامی تہذیب کے مقابلہ

میں اپنی جدید تہذیب کا دعویٰ ہو کچھ دن میرے پاس رہ کر دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے منہ سے کہلوادوں گا کہ واقعی ہم بدتہذیب ہیں اور حقیقی تہذیب وہی ہے جس کی شریعت مقدسہ نے تعلیم فرمائی ہے۔

ایک دفعہ مظفر نگر کے سفر میں آپ کو ایک ایسے ہی رئیس سے پالا پڑا جو بڑے بے باک، زبان دراز یہاں تک کہ بڑے بڑے حکام سے بھی نہ ڈرنے والے اور ان کے سامنے نہ جھکنے والے تھے۔ چونکہ ان کی عادت ہی ایسی بن چکی تھی اس لئے انہوں نے کوتاہ اندیشی سے حضرت سے بھی بے ڈھنگی باتیں شروع کر دیں جس سے آپ کو از حد تکلیف ہوئی۔ آپ نے انہیں مناسب الفاظ میں تنبیہ بھی فرمائی مگر ریاست کے نشہ میں وہ کچھ نہ سمجھ سکے۔ اور نوبت ناگواری تک پہنچ گئی۔ حضرت نے انہیں مجلس سے اٹھ جانے کے لئے فرمایا مگر وہ بیٹھے رہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ نہیں اٹھتے تو میں خود اٹھ جاتا ہوں۔ میں ایسے شخص کے ساتھ ہم نشینی بھی گوارا نہیں کرتا۔ بس آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ دست بستہ کہنے لگے، حضرت! آپ بیٹھے رہیں میں خود ہی چلا جاتا ہوا اور اٹھ کر چلے گئے۔ بعد ازاں انہوں نے حافظ صغیر احمد سے کہا کہ میرا تو عمر بھر کے لئے علاج ہو گیا۔ میں علماء اور ملازموں کو بہت ذلیل سمجھا کرتا تھا اب ہر ایک مولوی اور ملا کا ادب ولحاظ کرتا ہوں۔ میں بڑے بڑے حکام سے بھی مرعوب نہیں ہوتا اس روز مولانا سے اتنا مرعوب ہوا کہ ڈانٹ پڑنے کے بعد ایک لفظ بھی میرے منہ سے نکل ہی نہ سکا۔

ایک نواب کا اقرار بدتہذیبی:

ایک خاندانی، مقتدر، ذی وجاہت، رئیس اور نواب نے مبلغ دوسو روپے مدرسہ دارالعلوم تھانہ بھون کی امداد کے لئے بھیجے جو کسی چندہ کے بغیر توکلاً علی اللہ حضرت کی

سرپرستی اور نگرانی میں خاص خانقاہ کے اندر قائم تھا۔اس عطیہ کے ساتھ انہوں نے تشریف آوری کی درخواست بھی بھیج دی۔حضرت نے یہ لکھ کر روپے واپس کر دیئے کہ اگر اس روپیہ کے ساتھ بلانے کی درخواست نہ ہوتی تو مدرسہ کے لئے روپے لے لئے جاتے۔اب یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید مجھ کو متاثر کرنے کے لئے یہ رقم بھیجی گئی ہے۔آپ کی یہ غرض نہ سہی لیکن میرے اوپر تو طبعی طور پر اس کا یہی اثر ہوگا کہ میں آزادی کے ساتھ اپنے آنے نہ آنے کے متعلق رائے قائم نہ کرسکوں گا۔کیونکہ انکار کرتے ہوئے شرم آئے گی۔

نواب صاحب بڑے فہمیدہ اور جہاں دیدہ تھے۔فوراً سمجھ گئے کہ عطیہ اور درخواست اکٹھی نہ بھیجنی تھی۔چنانچہ فوراً معذرت نامہ لکھا کہ آپ کے تنبیہ کرنے سے اب یہ معلوم ہوا کہ واقعی مجھ سے یہ سخت بدتہذیبی ہوئی۔میں اب اپنی درخواست آوری واپس لیتا ہوں اور روپیہ مکرر ارسال کرتا ہوں۔براہ کرم مدرسہ کے لئے قبول فرمالیا جائے۔حضرت نے بخوشی قبول فرماتے ہوئے نواب صاحب کو لکھا کہ ابھی تک آپ میری ملاقات کے مشتاق تھے اور اب آپ کی تہذیب اور شرافت نے خود مجھ کو آپ کی ملاقات کا مشتاق بنا دیا ہے۔کچھ مدت کے بعد آپ اس شرط پر نواب صاحب کے ہاں تشریف لے گئے کہ کسی قسم کا کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔

ایک رئیسہ کا علاج:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بحالت سفر چونکہ مختلف المزاج لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا اس لئے ہر ایک کے مرض کا علاج روحانی بھی مختلف ہوتا تھا۔ایک دین دار رئیسہ نے دارالطلبہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تیار کرایا اور اس کے افتتاحی جلسہ کی تاریخ مقرر کر کے مہتمم صاحب کو لکھا کہ اپنے مدرسہ کے سرپرستوں اور دیگر اراکین کو

اطلاع کر دیں کہ اس تاریخ پر مدرسہ میں آ جائیں۔ مہتمم صاحب نے اس اطلاع کے ساتھ حضرت کو بھی شرکت کی دعوت دی تو آپ نے بایں وجہ شرکت فرمانے سے انکار کر دیا کہ ان کو اس حاکمانہ لہجے میں بلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس طرح حکم نامہ بھیج کر بلانا خلاف تہذیب ہے۔ یہ بھی کوئی بلانے کا طریقہ ہے، میں نہیں آؤں گا۔ کیا وہ کسی رئیس کو ایسے دعوت دے سکتی تھیں مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مصالح کی بنا پر تاویلاً اصرار کیا کہ یہ ان رئیسہ کا فعل نہیں ان کے میر منشی کا ہے۔ اس پر حضرت نے لکھا پھر بھی شکایت ہے کہ اس معاملہ کو بالکل میر منشی پر کیوں چھوڑ دیا، خود مسودہ دیکھ کر منظوری دیتیں، جس طرح حکام کے دعوت ناموں میں اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کے بلانے پر تو میں اب نہیں آؤں گا البتہ آپ اگر حکم دیں تو جوتیاں چٹخا تا ہوا سر کے بل حاضر ہوں گا۔ مگر رئیسہ سے نہیں ملوں گا نہ اس سے کوئی گفتگو بلا واسطہ یا بالواسطہ کروں گا۔

مہتمم صاحب نے اس مشروط شرکت کو بھی غنیمت سمجھا۔ اور حضرت کو تشریف آوری کے لئے لکھا۔ چنانچہ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔ بڑا پر اثر وعظ فرمایا جس سے رئیسہ بھی متاثر ہوئیں۔ آپ وعظ فرمانے کے فوراً بعد بغیر کسی کو ملے یہاں تک کہ حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ملے بغیر چلے آئے تا کہ کسی کو کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہ ملے اور نہ ہی اصرار کرے۔ رئیسہ کو بھی اس واقعہ کا علم ہو گیا اور اس نے محسوس کیا کہ علما میں بھی خوددار لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مدرسہ میں جو مٹھائی تقسیم کی تھی اس میں سے اپنا حصہ حضرت کو اسٹیشن پر یہ کہلا بھیجا کہ یہ مٹھائی عام تقسیم کی نہیں خود میرے حصے کی ہے اس لئے ضرور قبول فرمالیں۔ چونکہ اس کو اپنے امراض باطنی کا احساس ہو گیا تھا اس لئے حضرت نے وہ مٹھائی قبول فرمالی۔ اور اس طرح حضرت نے نہایت خوش اسلوبی سے علما کو بنظر حقارت دیکھنے والی کا ایسا علاج فرمایا کہ وہ پھر علما کی بڑی عزت کرنے لگی۔

انگریز کی دعوت:

الافاضات الیومیہ میں حضرت کا ارشاد درج ہے کہ مجھے اکثر اوقات انگریزوں کے ساتھ بھی سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر کبھی کوئی شریر نہیں ملا۔ ایک مرتبہ ایک دوست کے اصرار پر کلکتہ سے سیکنڈ کلاس میں سوار ہوا۔ اس ڈبہ میں ریلوے کا ایک انگریز افسر بھی سوار ہوا، جسے اوپر کے تختے پر جگہ ملی۔ کہنے لگا کہ ہم کو نیچے کے تختے پر تھوڑی سی جگہ کھڑکی کی طرف آپ دے دیں، ہم کو بار بار ریلوے کے انتظام کے لئے باہر آنا جانا پڑتا ہے۔ میں نے کہا، بہت اچھا، ہمارا کوئی حرج نہیں، آپ بیٹھ جائیں، وہ بیٹھ گیا۔ جب کھانے کا وقت آیا میں نے ان دوست کے ذریعہ سے دریافت کیا کہ آپ کھانا کھائیں گے؟ کہا، مجھ کو کیا عذر ہے؟ ہم نے کھانا بازار سے خریدا تھا جو پتوں پر ملا تھا۔ ہم نے اس کو بھی اس خیال سے کہ کون برتنوں کو دھوتا پھرے گا، انہی پتوں پر کچھ کھانا رکھ کر دے دیا۔ جو اس نے بڑی خوشی سے لے کر کھایا۔ ایک صاحب پوچھنے لگے کہ برتن میں کھانا کیوں نہ دیا؟ میں نے کہا چونکہ پڑوسی تھا اس لئے حقِ جوار ادا کر دیا، حق احترام ادا نہیں کیا کیونکہ اسلام سے محروم تھا۔ وہ جب اسٹیشن پر اترا تو شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ کو بہت تکلیف ہوئی ہماری وجہ سے اور ہم کو آپ کی وجہ سے بہت آرام ملا۔ ایک اور رفیق سفر کہنے لگے، اگر آپ برتنوں میں کھانا دیتے تو زیادہ شکریہ ادا کرتا۔ میں نے کہا یہ بھی ممکن تھا کہ شکریہ تو ادا نہ کرتا بلکہ اپنے کو بڑا سمجھتا کہ ہمارا احترام کیا گیا ہے۔ پھر شکریہ کی ضرورت ہی کیا محسوس ہوتی۔

توکل علی اللہ:

ایک سفر میں کسی چھوٹے اسٹیشن پر بارش کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو گودام میں ٹھہرا دیا۔ جب رات ہوئی تو ریلوے کے کسی

ملازم کو اس میں لالٹین جلانے کا حکم بھی دے دیا۔ حضرت کو شبہ ہوا کہ کہیں ریلوے کمپنی کی لالٹین نہ ہو۔ لیکن اس خیال سے منع فرمانے میں بھی تامل ہوا کہ یہ ہندو ہے دل میں کہے گا کہ اسلام میں ایسی تنگی اور سختی ہے۔ اس کشمکش میں دل ہی دل میں دعا شروع فرمادی کہ یا اللہ! آپ ہی اس سے بچایئے۔ اس کے بعد ہی بابو نے ملازم سے پکار کر کہا کہ دیکھو اسٹیشن کی نہیں ہماری لالٹین جلانا۔ حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ان سے فرمایا کہ اسٹیشن کی لالٹین تھوڑا ہی جلنے دیتا اور اندھیرے ہی میں بیٹھا رہتا۔

سفرِ آخرت کی فکر:

ایک مرتبہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جارہے تھے کچھ گنے ساتھ تھے۔ ان کو محصول ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا مگر کسی نے نہ تولا بلکہ از راہ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جایئے ہم گارڈ سے کہہ دیں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا، غازی آباد تک۔ فرمایا، غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس کے آگے کیا ہوگا؟ کہنے لگا، وہ گارڈ کانپور تک لے جائے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔ فرمایا، نہیں وہاں سفر ختم نہ ہوگا ایک اور سفر آخرت بھی ہے وہاں کیا انتظام ہوگا۔ یہ سن کر سب دنگ رہ گئے اور بہت متاثر ہوئے۔

معمولات کی پابندی:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ انضباط اوقات جبھی ہو سکتا ہے اگر اخلاق و مروت سے مغلوب نہ ہو اور ہر کام کو اپنے وقت اور موقع پر کرے۔ اور تو

اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استاد محترم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار مہمان ہوئے۔ حضرت والا نے راحت کے سبب ضروری انتظام کرتے رہے۔ جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا، حضرت! میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر بعد میں حاضر ہو جاؤں گا۔ فرمایا، ضرور لکھو۔ میری وجہ سے اپنا حرج نہ کرو۔ گو اس روز حضرت کا لکھنے میں دل نہیں لگا لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تاکہ بے برکتی نہ ہو۔ چنانچہ تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضر خدمت ہو گئے۔

توکل وقناعت:

حضرت حکیم الامت قدس سرہ جب جامع العلوم کانپور میں مدرس اول بن کر تشریف لے گئے تو حضرت کی تنخواہ پچیس روپے تھی۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کو زائد ہی سمجھتے رہے وہ خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی اپنی تنخواہ سوچا کرتا تھا تو زیادہ سے زیادہ دس روپے سوچتا تھا۔ پانچ روپے اپنی ضروریات کے لئے اور پانچ روپے گھر کے خرچ کے لئے بس اس سے زیادہ تنخواہ پر کبھی نظر ہی نہیں جاتی تھی نہ اس سے زیادہ کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتا تھا۔

فکر آخرت:

سفر سے آپ خود بھی عبرت پکڑتے تھے اور اس کی مثال دے کر دوسروں کو درس عبرت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سفر کے وقت اکثر یہ خیال آیا کرتا ہے کہ اے نفس! ضرورت کی چیزیں تو بس اتنی ہی نہیں جتنی اس وقت سفر میں ساتھ ہیں کہ دو چار کپڑوں کے جوڑے ہیں، بستر اور لوٹا ہاتھ میں ہے، اب مجھے سفر کئے ہوئے دو ماہ ہوئے ہیں، ان چیزوں کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوتی جو گھر میں بھری

ہوتی ہیں بلکہ سفر میں بھی جب بعض چیزیں غیر ضروری معلوم ہوئیں تو گھر بھیج دی گئیں لیکن میں کیا کروں میں تو بہت بچنا چاہتا ہوں کہ زیادہ بکھیڑا جمع نہ ہو مگر حق تعالیٰ میرے پاس بہت کچھ بھیجتے ہیں۔ میرے دوست احباب کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں وہ بھی بہت سی چیزیں بھیج دیتے ہیں جن کو واپس کرتا ہوں تو ان کا دل برا ہوتا ہے اور واپس نہ کروں تو خود بوجھ محسوس کرتا ہوں اس لئے میں اپنی مملوکہ چیزوں کا جائزہ لیتا رہتا ہوں اور غیر ضروری اسباب کو نکالتا رہتا ہوں۔

اذکار واشغال کی ترتیب:

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں رہتا تھا تو حضرت کی خدمت میں حاضری کے سوا اور اوقات میں تمام ضیاء القلوب کے اذکار واشغال کو بہ ترتیب روزانہ عمل میں لاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان سب کا پورا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ ایک روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ قصہ عرض کیا۔ حضرت ہنسے اور فرمایا یہ سبق نہیں ہے بلکہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ طبیب کی دوکان پر اقسام مختلفہ کی ادویہ رکھی ہوئی ہیں تو ان کے رکھنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ہر مریض ان سب ادویہ کو استعمال کرے بلکہ غرض یہ ہے کہ جس مریض کے لئے جو دوا مناسب ہوگی وہ اس کو دی جائے گی سو اسی طرح بہت سے طرق جمع کر دیئے ہیں اور ہر طالب کے لئے جو شغل مناسب ہوتا ہے وہ اس کو بتلایا جاتا ہے۔ پھر ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دسترخوان پر مختلف کھانے رکھے جاتے ہیں اس لئے نہیں کہ سب کھانوں کو سب ہی کھائیں بلکہ اس لئے کہ جو کھانا جس کو پسند ہو وہ اس کو کھالے۔ اصلی غرض عقلاء کی متعدد اطعمہ سے یہی ہے۔ گو اہل عرف اس کی حقیقت نہ سمجھیں اور فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے یہ تحقیق نصیب ہوئی۔

امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری 14 ربیع الاول 1310ھ بروز جمعہ پٹنہ صوبہ بہار (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حافظ ضیاء الدین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب چھتیسویں پشت میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اور قرآن پاک کا حفظ آپ نے اپنے نانا جان سے کیا۔ قرات قاری سید عمر عاصم عرب سے سیکھی۔ پٹنہ سے پنجاب منتقل ہوئے تو راجو دال میں قاضی عطا محمد صاحب کے مدرسہ میں پڑھتے رہے اس کے بعد 1914ء میں امرتسر آ گئے اور وہاں مولانا نور احمد امرتسری سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے حاصل کی۔ حدیث کی تعلیم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے حاصل کی۔

آپ سب سے پہلے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف والوں سے بیعت ہوئے، ان کے وصال کے بعد آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت رائپوریؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

آپ ہندوستان کے ایک شعلہ بیان مقرر، عظیم مجاہد اور تحریک آزادی کے نامور کارکن تھے۔ ہندوستان و پاکستان کا کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں آپ نے اپنی سحر آفریں خطابت سے سوئے ہوئے جذبات کو جگا نہ دیا ہو۔ انگریز حکومت کے خلاف جلیانوالہ باغ کا واقعہ آپ کو سیاست کے میدان میں لے آیا۔ شاہ جی ملک و ملت کے ایک عظیم خطیب اور قائد بن گئے اور ہمیشہ انگریز کو ناک چنے چبواتے

رہے۔فرنگی کے خلاف شاہ جی کی زبان الفاظ نہیں شعلے برساتی تھی۔ان کی آنکھیں گہری سرخ ہوتیں اور سننے والے ہر لب پر صدائے تحسین اور ہر آنکھ میں آنسو ہوتے تھے۔

آپ نے چالیس برس تک شرک و بدعت، رسومات اور تمام سماجی برائیوں کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔آپ نے مرزائیت کی بیخ کنی اور عقیدہ ءختم نبوت کو بھی اپنا میدان بنایا اور اس میدان میں مرزائیت کو شکست فاش دی۔آزادی ءوطن کے حصول اور ختم نبوت کی حفاظت کے لئے جو شاہراہ کار انہوں نے متعین کی تھی آخری سانس تک اسے نبھاتے رہے اور بالآخر یہ مرد حق 9 ربیع الاول 1381ھ مطابق 21 اگست 1961 کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سامعین کو نصیحت:

حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چوالیس برس تک لوگوں کو قرآن سنایا، پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ ان کی سختی بھی نرمی میں بدل جاتی، غاروں سے ہمکلام ہوتا تو جھوم اٹھتے، چٹانوں کو جھنجھوڑتا تو چلنے لگتیں، سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے لئے طوفان بلند ہو جاتے، درختوں کو پکارتا تو وہ دوڑنے لگتے، کنکریوں سے کہتا تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں، مرمر سے گویا ہوتا تو وہ صبا ہو جاتی، دھرتی کو سناتا تو وہ اس کے سینہ میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے، جنگل لہرانے لگتے، صحرا سرسبز ہو جاتے، میں نے ان لوگوں کو خطاب کیا جن کی زمینیں بنجر ہو چکی ہیں، جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط ہے، جن کے ضمیر عاجز آ چکے ہیں، جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں، جن کی بستیاں انتہائی خطرناک ہیں، جن کے پاس ٹھہرنا المناک اور جن سے گزر جانا طرب ناک ہے، جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے۔

کھانے پینے کا معمول:

حضرت شاہ صاحب مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے۔ ہر چیز کو اللہ کے تابع سمجھتے۔ حال سے بس اتنا ہی تعلق تھا کہ اس کو جھنجھوڑتے اس پر کڑھتے یا کبھی کبھار اس پر قہقہے لگاتے تھے۔ البتہ وہ ماضی کے انسان تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا، سونا جاگنا، سوچنا سمجھنا اور بولنا ہنسنا سب ماضی کا مرہون اثر تھا۔ وہ تہبند اس لئے باندھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تہبند باندھا کرتے تھے۔ وہ کسی بھی غذا کے عادی نہ تھے، ساگ، ستو جو ملا خدا کا شکر کیا اور کھالیا۔ میں نے ہری مرچوں کی رغبت کے سوا ان میں کسی شے کے لئے رغبت نہیں پائی۔ انہیں بغیر پکائے بھی کھالیتے اور قیمے میں بھون کر بھی کھالیتے۔ ہمیشہ پہننے میں موٹا کپڑا ہی استعمال کرتے تھے۔ اکثر فرش پر ہی بستر کھول کر سو جاتے اور ٹھنڈا پانی بکثرت پیتے تھے۔

ہدیہ قبول کرنے کی شان:

بظاہر حضرت کا کوئی کاروبار نہ تھا ان کے خاص معتقدین مدد فرماتے تھے۔ مگر نہ تو کبھی چھپ کر ہدیہ قبول فرماتے اور نہ اس پر پردہ پوشی ہی کے قائل تھے۔ جب کوئی مٹھی بند کر کے کچھ دینا چاہتا تو مٹھی کھول دیتے کہ چھپاتے کیوں ہو؟ کیا چوری کا مال ہے؟ جماعت سے ایک چونی بھی نہ لیتے۔ یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے کسی جماعت سے کبھی نہ کرایہ وصول کیا نہ وظیفہ لیا نہ قرض حسنہ اور نہ امانت قبول کی۔ ان کے مداح انہیں خود ہی بے نیاز رکھتے تھے۔

ایفائے عہد:

حضرت شاہ جی اگر کسی سے وعدہ کرتے تو اس کو پورا کرتے تھے۔ سال کے 365 دنوں میں 330 دن تقریریں فرماتے لیکن وقت کی پابندی ان کے بس کا روگ

نہ تھا۔ جلسہ میں دیر سے پہنچتے اور جس کے ہاں جا کر ملنا ہوتا وہاں وقت مقررہ سے دو چار گھنٹے اوپر ہو جانا معمولی بات تھی۔ مولانا آزاد سے ملنے کا وقت طے کیا۔ وہ سیکنڈوں پر نگاہ رکھنے والے تھے۔ وہاں بھی کوئی دو گھنٹے لیٹ پہنچے۔ وقت ہو رہا تھا دوستوں نے متوجہ کیا مگر قیلولہ کرنے لگے۔ مسٹر گاندھی سے بھی یہی کہا۔ مولانا حبیب الرحمٰن کہا کرتے تھے کہ شاہ جی نے انگریزوں کے خلاف اتنا جہاد کیا ہے کہ کئی انسانوں کا مجموعہ بھی یہ نہیں کر سکتا۔ مگر وقت کے اسراف کا یہ حال ہے کہ آج اگر انگریز یہ کہیں کہ فلاں روز ٹھیک اتنے بج کر اتنے منٹ پر شاہ جی کو فلاں جگہ بھجوا دو تو ہم آزادی کا پروانہ دیں گے تو آزادی کبھی نہیں ملے گی۔ کیونکہ شاہ جی اور وقت کی پابندی دو بہت متضاد چیزیں ہیں۔

حقیقت کا اظہار:

پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا۔ شاہ جی بھی مدعو تھے۔ راجہ غضنفر علی خان وزیر تھے۔ جلسہ کے صدر نے شاہ جی کو تقریر کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ شاہ جی جس لیگ کے مخالف تھے اسی لیگ نے انہیں پناہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جملہ طنزیہ تھا۔ شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا، ہاں بھائی! یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی اس کی بڑی لمبی تاریخ ہے۔ میرے ابا کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر میں پناہ ملی تھی۔ یہ سن کو مجمع پر یکا یک سناٹا چھا گیا۔

جیل جانے کی وجہ:

ختم نبوت کی تحریک کے دنوں میں شاہ جی کسی جیل میں محبوس تھے۔ ایک بہت بڑا سرکاری افسر آیا۔ باتوں باتوں میں کہنے لگا، شاہ جی اب اسلامی حکومت ہے،

پہلے جیل جاتے تھے تو لوگ قدر کرتے تھے، اب تو وہ دن نہیں رہے، لوگ بھول جائیں گے، چھوڑیئے اس قضیے کو باہر کوئی اور کام کیجئے۔ فرمایا، ٹھیک ہے بھائی، لیکن میں کبھی لوگوں کے لئے جیل نہیں گیا۔ میں تو اسلام اور آزادی کے لئے جیل جاتا رہا ہوں، رہا اسلامی حکومت کا سوال تو مجھے تم سے اتفاق ہے۔ مگر یہ نہ بھولو کہ اسلامی حکومتوں میں بھی کچھ لوگ جیل میں رہا کرتے تھے۔

تقریر کا اثر:

خان غلام محمد خان نے سنایا کہ میں نے نہ تو شاہ جی کو دیکھا ہوا تھا اور نہ ہی میرا سیاسی مسلک ان جیسا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلّی دروازہ کے باہر سے گزرا تو شاہ جی تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے اسے پانچ منٹ سن تو لوں۔ میری عادت یہ ہے کہ جلسہ میں ایک ساتھ بیٹھنا میری فطرت میں نہیں۔ میں پانچ منٹ تک شاہ جی کی تقریر کی لذت لیتا رہا۔ پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں، ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔ پھر لیٹ گیا، اور ساری رات لیٹے ہوئے تقریر سنتا رہا اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا، یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی، شاہ جی نے تقریر کے خاتمہ کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ اوہو، ساری رات ختم ہوگئی، یہ شخص تقریر نہیں بلکہ جادو کر رہا تھا۔

شاگردوں پر شفقت:

1950ء میں سفر حج میں آپ کے ایک شاگرد رشید بھی ساتھ تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظّمہ میں دوستوں اور وہاں کے علما سے ملنے چلا جاتا یا کسی اجتماع میں شرکت ہوتی۔ ظہر کے بعد جب حرم شریف سے خلوت میں حاضر خدمت ہوتا تو دیکھتا

حضرت کے پاس کھانا رکھا ہے اور حضرت منتظر ہیں، بڑی شفقت سے فرماتے کہ تمہیں تو کھانے کا بھی ہوش نہیں ہے۔ دیکھو تمہارے لئے یہ روٹیاں رکھی ہیں، یہ کھانا تمہاری صحت کے مطابق ہے۔

احباب سے تعلق:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خصوصی اہل تعلق کے آنے سے بڑے مسرور ہوتے، کبھی فرماتے کہ تم نے حد کردی بڑا انتظار کرایا۔ کبھی کسی سے رخصت ہونے پر فرماتے کہ دیکھئے اب کب ملاقات کے لمحے نصیب ہوتے ہیں۔ ایک خادم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مراد آباد سے رخصت ہونے لگا، حضرت شاہ جی نے مولوی عبدالمنان صاحب سے فرمایا کہ اسٹیشن جاکر گاڑی پر سوار کرانا اور سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ خرید کر دینا۔ چلتے وقت دیکھا تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ تحمل و ضبط کہتا ہے کہ ٹپکنے نہ پائیں اور محبت کہتی ہے کہ کیا حرج ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت 1295ھ میں موضع ڈھڈیال ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد ایک نیک سیرت بزرگ تھے اور آپ کا خاندان ایک دینی و علمی خاندان تھا۔ آپ نے قرآن مجید اپنے تایا جان مولانا کلیم اللہ صاحب کے پاس حفظ کیا اور فارسی کے چند رسالے بھی ان سے پڑھے۔ صرف و نحو کی کتابیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ مولانا محمد رفیق صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس عربیہ میں رہ کر درس نظامی کی متفرق کتب پڑھیں اور درس نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کو منطق و فلسفہ میں بہت

مہارت حاصل تھی۔ حدیث کی کتب مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا عبدالعلیؒ سے پڑھیں۔ دہلی قیام کے دوران امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ترمذی شریف کے چند اسباق کی سماعت بھی کی۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ نے طب یونانی کی باقاعدہ تحصیل کی اور ضلع بجنور کے ایک قصبہ افضل گڑھ میں مطب بھی کیا۔ کچھ عرصہ بریلی میں قرآن وحدیث کا درس بھی دیتے رہے۔ لیکن آپ کی بے چین طبیعت کسی کام میں لگتی نہ تھی۔ آخر کار تلاش حق میں دیوانہ وار نکل کھڑے ہوئے حتیٰ کہ شیخ العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور پہلی ہی ملاقات میں اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کیلئے انہی کا ہو کر رہنے کی تمنا کا اظہار کیا۔ ہر چند کہ حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو گنگوہ حاضر ہونے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے اصرار کیا کہ میری طبیعت آپ کی طرف ہی مائل ہے۔ انہوں نے آپ کو بیعت فرما لیا اور ذکر اذکار کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد آپ زندگی بھر یادِ حق اور خدمت شیخ میں مصروف رہے۔ اپنا وقت ریاضت مجاہدہ اور ذکر اذکار میں گزارتے تھے۔ آپ کے شیخ معظم آپ سے آخری دم تک راضی رہے۔ اور بوقت وصال آپ ہی کو اپنا خلیفہ و جانشین بنایا اور رائپور میں ہی قیام رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اسی نسبت سے آپ رائپوری کہلائے۔

آپ شیخ کے رحلت کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور پورے پینتالیس سال تک تلقین ارشاد کا کام کرتے رہے۔ اپنے عمل واخلاص سے خلق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام کیا۔ لاکھوں مسلمانوں کو فسق و فجور سے توبہ کروائی اور سینکڑوں علماء کو روحانی منازل طے کروائیں اور بہت سے حضرات کو خلافت سے نوازا۔ ساری زندگی طالبین حق کی اصلاح وتربیت اور گم گشتگان بادہ ءضلالت کی رہنمائی کے بعد یہ آفتاب حکمت وہدایت زندگی کی نوے منزلیں طے کر کے 14 ربیع الاول 1382

ھ کو ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

انہماک مطالعہ:

حضرت شاہ صاحب کو کتاب سننے کا بہت شوق تھا۔ کسی زمانے میں اس معمول میں اتنی ترقی اور انہماک ہو جاتا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کتاب سنے بغیر چین نہیں آتا۔ بھٹ ہاؤس سہارنپور کے قیام میں اکثر دیکھا گیا کہ نماز فجر کے بعد جو آرام فرمانے کا معمول تھا۔ اس سے بیدار ہو کر فوراً آزاد صاحب کی طلبی ہوتی۔ فتوح الشام یا صحابہ کرامؓ کے حالات کی کوئی کتاب پڑھنے کا حکم ہوتا۔ آزاد صاحب کسی ضرورت سے اٹھتے، دوبارہ ان کی طلبی ہوتی۔ خاموش ہوتے تو فرمایا جاتا کہ کیوں خاموش ہوئے۔ کتابوں کے ذوق کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ راقم السطور نے اکتوبر 60ء میں اپنے وطن رائے بریلی سے اطلاع دی کہ تاریخ دعوت وعزیمت کے تیسرے حصے کے سلسلہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ مرتب ہو گیا ہے۔ اس خط کے کچھ عرصہ بعد رائے پور حاضری دی۔ مصافحہ کے ساتھ ہی کتاب کا مسودہ طلب فرمایا اور اسی وقت پڑھنے کا حکم ہوا۔ نماز کے وقفے کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا اور جب تک کتاب ختم نہ ہو گئی کوئی دوسرا کام ان وقتوں میں نہیں ہوا۔

کیفیات میں قوت:

رائے پور میں ہر نو وارد کو سب سے پہلے جو چیز متوجہ کرتی تھی وہ ذکر کی کثرت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پتہ پتہ سے اللہ کے نام کی آواز اور صدا آ رہی ہے۔ دن اور رات کے کم اوقات ذکر کی آواز سے خالی نظر آتے۔ رائے پور کی فضا اور حضرت کے دامن عاطفت میں کم سے کم استعداد والے آدمی کو بھی یہ بات محسوس ہوتی کہ

سکون واطمینان کی ایک چادر پوری فضا اور ماحول پر تنی ہوئی ہے وہاں پہنچ کر ہر غم غلط اور ہر تردد اور فکر فراموش ہو جاتی تھی۔ اہل نظر واصحاب بصیرت کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ حضرات نقشبندیہ کی نسبت سکینت ہے جو پورے ماحول پر محیط اور غالب ہے۔ اس میں حضرت سے جتنا قرب ہوتا اتنا ہی اس کیفیت واحساس میں قوت پیدا ہوتی۔ گویا مرکز سکینت وہ ذات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ اور یقین ورضا کی دولت سے نوازا ہے۔

مجلس کا واقعہ:

حضرت شاہ صاحب کی مجلس کا ایک واقعہ سناتے ہوئے ایک حاضر خانقاہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خیال آیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کی مجلس میں حال طاری ہو جاتا ہے مگر میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ یہ میرے قیام کا اخیر دن تھا۔ دوسرے روز واپسی تھی۔ مغرب کے بعد جب ذکر میں بیٹھا تو بیٹھتے ہی عجب حالت شروع ہوگئی۔ گریہ اور محویت اور توجہ الی اللہ ایسی بنی کہ گویا اللہ تعالیٰ سامنے ہے اور حضرت میرے جانب ہیں اور میری تسلی فرمارہے ہیں۔ تمام ذاکرین پر عجب حالت طاری تھی۔ اس حالت میں میں نے ذکر بڑی دقت سے پورا کیا اور آخر مجبوراً چھوڑ کر حاضر خدمت ہوا۔ راؤ عطا الرحمٰن خان نے عرض کیا کہ حضرت! آج تو عجب حالت تھی۔ آزاد صاحب نے تو قوالی ہی شروع کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اوہو، لا حول ولاقوۃ الا باللہ۔ بس تمام حالت دگرگوں ہوگئی۔

محبت شیخ:

حضرت کے خمیر میں شروع سے محبت وعشق کی چنگاری تھی۔ اور یہ ان کا فطری ذوق اور حال تھا۔ اس لئے مشائخ اور بزرگوں میں بھی جن کو یہاں عنصر نمایاں اور

غالب نظر آتا تھا ان سے خصوصی مناسبت اور عقیدت تھی ۔ اسی بنا پر محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے عشق کا سا تعلق تھا۔ اور ان کے حالات سے خاص شغف تھا۔ اور کسی طرح ان کے حالات سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ لاہور کے دوران قیام 1959ء میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر کسی دوست کی تحریک وتذکرہ پر تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن عصر کے بعد کی مجلس میں پڑھایا جانے لگا۔ اس وقت تک کتاب چھپی بھی نہیں تھی اور میرے پاس اس کا ناقص مسودہ تھا کتاب شروع ہوئی اور مولانا کے سادہ لیکن دل کو تڑپا دینے والے حالات و واقعات پڑھے جانے لگے تو ساری مجلس پر ایک کیف سا طاری ہوگیا۔ جو درحقیقت حضرت کی کیفیت باطنی کا عکس تھا۔ زبان حال گویا کہہ رہی تھی،

؎ پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

بعض اہل مجلس نے بیان کیا کہ ایسا کیف مجلس میں اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''بڑی پیاری باتیں ہیں'' پھر فرمایا ''پیاروں کی باتیں پیاری ہی ہوتی ہیں''۔

زیب وزینت کا معیار:

ایک مرتبہ حضرت مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے۔ اس خادم نے عرض کیا کہ حضرت! اس مسجد میں بعد کے لوگوں نے بڑی زیب وزینت پیدا کر دی اور قیمتی قالین بچھا دیئے، کاش! یہ مسجد اپنی پہلی سادگی پہ ہوتی۔ معلوم نہیں اس وقت حضرت کس حال میں تھے۔ یہ سن کر حضرت کو جوش آ گیا اور فرمایا ''دنیا میں جہاں کہیں زیب وزینت ہے انہی کا صدقہ تو ہے''۔

عشق نبوی ﷺ:

مرض وفات میں مدینہ طیبہ کا ذکر سن کر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی۔ اور بعض اوقات بلند آواز سے رونے لگتے۔ مولانا محمد صاحب انوری عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ حضرت سے رخصت ہونے کے لئے آئے۔ مدینہ طیبہ کا ذکر ہوا تو حضرت دھاڑیں مار کر روئے۔ مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی حضرت اقدس کو اس سے پہلے بلند آواز سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ بابو عبدالعزیز صاحب آئے تو ان سے فرمایا کہ دیکھو، یہ مدینہ جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت کی چیخیں نکل گئیں۔

عاجزی وانکساری:

ایک مرتبہ فیصل آباد کے قیام میں اس بارے میں خدام اور احباب میں بڑی کشمکش تھی کہ حضرت رمضان کہاں کریں۔ فیصل آباد کے اہل تعلق فیصل آباد کے لئے کوشاں تھے، لاہور کے لاہور کے لئے اور قریشی صاحب راولپنڈی کے لئے عرض کرتے تھے۔ حضرت نے ایک روز سحری کے وقت تینوں گروہوں کے خاص خاص اشخاص کو بلایا اور فرمایا کہ بھائی دیکھو میں ایک غریب کاشتکار کا لڑکا ہوں۔ میرے گھر میں ایسی غربت تھی کہ میں جب طالب علمی میں آیا کرتا تھا تو میری والدہ کو فکر ہوتی تھی کہ گیہوں کی روٹی کا انتظام کس طرح کریں۔ غبی بھی ہوں، اول تو کچھ پڑھا ہی نہیں جو کچھ تھوڑا بہت پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا۔ اب تم مجھے جو کھینچے کھینچے پھرتے ہو اور کوئی ادھر لے جانا چاہتا ہے کوئی ادھر تو یہ محض اس کی برکت ہے کہ کچھ روز اللہ کا نام لیا۔ آپ خود بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے اور کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ باتوں میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ بعض حضرات کی آنکھوں

میں آنسو آ گئے۔

سخاوت کا واقعہ:

حضرت شاہ صاحب کو غیب سے ضرورت کی اشیاء پہنچتی تھیں اور فوری طور پر صرف بھی ہو جاتی تھیں۔ روپیہ کا رات کو رکھنا اور اس پر رات گزرنا طبیعت پر بڑا بوجھ تھا۔ خدام کچھ پیش فرماتے تو فوراً دوسرے خدام خانقاہ، اہل حاجت اور آنے والوں کو پیش کر دیتے تھے۔ حاجی فضل الرحمٰن خان کہتے ہیں کہ صرف میرے ہاتھوں سے کئی لاکھ روپے حضرت نے دوسروں کو دلائے ہیں۔ بعض اہل علم کو کرایہ کے نام سے سو دو سو کی رقم عطا فرمانے کا عام دستور تھا۔ ایک خادم جو سفر حج میں تھے حجاز سے مصر و شام چلے گئے تھے ان کے ایک رفیق کو ایک ہزار کی رقم عنایت کی اور فرمایا کہ ان کو بھیج دو اور لکھ دو کہ تمہاری صحت بحری سفر کی متحمل نہیں لہٰذا تم ہوائی جہاز سے سفر کرنا۔ غرض رقم کسی سے وصول کرتے تو فوراً آگے کسی کے حوالے کر دیتے۔

رقم کی فراہمی:

ایک دفعہ مجمع لگا ہوا تھا۔ بہت سے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے مصافحہ کرتے وقت بے تکلف عرض کیا، حضرت! دس روپیہ کی ضرورت تھی۔ حضرت نے فرمایا، اللہ سے دعا کرو۔ پھر خاموش ہو گئے، تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا سو روپیہ کا نوٹ حضرت کے ہاتھ پر رکھا۔ حضرت نے آواز دے کر فرمایا، ارے بھائی! وہ شخص کہاں گیا جو دس روپیہ مانگ رہا تھا۔ وہ بولا! حضرت! میں یہاں ہو۔ فرمایا، یہ دس روپیہ لے لو۔ اس نے عرض کیا، حضرت! یہ تو سو روپیہ ہے۔ فرمایا لے جا تیری موج ہو گئی۔

شفقت کا واقعہ:

حضرت کی شفقت و محبت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ایسے شفیق تھے کہ ماؤں کی شفقتیں ان پر قربان۔ میں نے اپنی باون سالہ عمر اور ستائیس سالہ تعلق میں نہ کسی کی ماں اور نہ کوئی استاد، نہ ہوئی دوست، نہ کوئی بزرگ ایسا مہربان دیکھا۔ مہمانوں میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو حضرت کو تمام رات نیند نہیں آتی تھی۔ حضرت کے ملنے والے تمام حضرات فرداً فرداً سمجھتے تھے کہ حضرت کو جتنی مجھ سے محبت ہے اوروں سے نہیں۔ سب سے زیادہ محبت مجھ ہی سے ہے۔ آپ کے اندر کوئی ایسی بجلی کی سی محبت تھی کہ جتنا بھی کوئی مصیبت زدہ اور فکر مند ہوتا حضرت کو دیکھ کر تمام تکلیفیں دور ہو جاتیں۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تمام عمر میں ایسا شفیق شخص نہیں دیکھا، کوئی شخص اپنے بیٹوں سے اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی حضرت ہم لوگوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کھانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ حضرت نے کمال شفقت سے فرمایا کہ تم کھاتے ہو تو میں ہی کھاتا ہوں۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

آپ 1303ھ میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ اس زمانے میں دہلی کی نواحی بستی نظام الدین میں رہتے تھے۔ وہ حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم تھے۔ عابد و زاہد اور شب بیدار بزرگ تھے، ذکر و عبادت ان کا مشغلہ اور کلام الٰہی کی تدریس ان کا مقصد

حیات تھا۔ انہیں قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق تھا۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ قرآن کی دولت اپنے والد ماجد سے پائی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں بھی اپنے والد سے پڑھیں پھر ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ انہیں اپنے ساتھ گنگوہ لے گئے۔ یہ قصبہ ان دنوں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عالی صفات کے سبب علماء وصلحاء کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ میں آٹھ نو برس رہے یہاں ان کی بہترین اخلاقی اور دینی تربیت ہوئی۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ 1326ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شرکت کے لئے دیوبند پہنچے وہاں ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی۔ اس کے بعد برسوں اپنے بھائی مولانا محمد یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے رہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک کی تکمیل کی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس ہوگئے۔ 1334ھ میں آپ نے حج کیا۔ ایک سال بعد بڑے بھائی مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو آپ بستی نظام الدین میں مستقل قیام کیلئے دہلی آگئے۔

بستی نظام الدین میں ایک چھوٹی سے پختہ مسجد، ایک کچا مکان اور ایک حجرہ تھا۔ درگاہ نظام الدین اولیاء کے جنوب میں ایک مختصر سی آبادی تھی، چند میواتی اور غیر میواتی طالبعلم آپ سے پڑھا کرتے۔ طلباء کو چھوٹے بڑے اسباق بڑی کاوش سے پڑھاتے تھے۔ درس حدیث بھی ہوتا تھا۔ آپ کا سب سے عظیم کارنامہ تبلیغ کی تحریک شروع کرنا تھا۔ اس کا آغاز میوات سے ہوا۔ یہاں کے لوگ برائے نام مسلمان تھے، معاشرت زیادہ ہندوؤں سے ملتی جلتی تھی، حضرت نے شب و روز محنت کر کے اس علاقے میں بہت سے مکتب قائم کیے اور آہستہ آہستہ اصلاح و تبلیغ کا

کام پھیلنے اور اثر دکھانے لگا۔ پھر آپ نے عمومی دعوت وتبلیغ کا منصوبہ بنایا اور تبلیغی گشت شروع کیے۔ مولانا نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین اصول وارکان یعنی کلمہ توحید اور نماز کی تبلیغ کریں۔ پھر انہوں نے جماعتیں بنا کر مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لئے بھیجنی شروع کیں، چند برس کے اندر اندر اس کام میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ دور دور تک تبلیغ جماعتیں جانے لگیں اور پورے برصغیر میں اصلاح وتبلیغ کا کام ہونے لگا۔

آپ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور بہت ضعیف: کمزور تھے اور علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے پیکر تھے۔ آخری عمر تک جس دعوت وتبلیغ کو لے کر اٹھے تھے اس کے لئے کوششیں کرتے رہے اور ہزاروں ایسے افراد پیدا کر دیئے جو آپ کے بعد آپ کی دعوت کو آپ کے نشان راہ پر چلا سکیں۔ آپ 13 جولائی 1944ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

دعوت وتبلیغ:

مولانا کے نزدیک عاجز وضعیف اور مشغول انسان کے لئے اس محدود اور مختصر زندگی میں اپنی مجبوریوں اور کمزوریوں کے ساتھ طویل ترین، کثیر ترین اور مسلسل اجر وثواب اور ذخیرہ عمل کی صورت اخلاص واحتساب کے ساتھ اس دلالت علی الخیر اور تبلیغ میں مشغولی کے سوا کچھ نہ تھی۔ اگر کوئی شخص دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر نفلیں اور ایک قرآن مجید روزانہ ختم کرے یا لاکھوں روپے روزانہ صدقہ وخیرات کرے تو بھی کثرت میں، نورانیت میں اور قبولیت میں ان لوگوں کے اجر کو نہیں پہنچ سکتا جن کو ان کی دلالت علی الخیر کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی فرض نمازوں، ارکان اور ایمان کا ثواب رات دن کے ہر لمحہ میں پہنچ رہا ہے اور ان کی روح پر اجر وانعام اور انوار وبرکات کی صدیوں سے مسلسل بارشیں ہو رہی ہیں۔

ایک شخص کا عمل ، اس کی طاقت اور اس کے اخلاص سینکڑوں آدمیوں کے عمل و طاقت اور اخلاص وشغف وانہماک کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مولانا شخصی عبادت ونوافل پر (ان میں پورے طور پر خود منہمک رہنے اور ان کی انتہائی حرص وشوق رکھنے کے باوجود) اس متعدی خیر اور دلالت علی الخیر کو ترجیح دیتے تھے اور اس کو زیادہ امید کی چیز سمجھتے تھے۔ ایک بزرگ جو اپنی عمر میں بڑے بڑے کام کر چکے تھے اور اب جسمانی انحطاط وتنزل کے دور میں تھے ان کے ایک دوست کے ذریعے اس کا مشورہ دیا کہ اب آپ میں خود کرنے زیادہ طاقت نہیں رہی۔ وقت کم اور کام بہت زیادہ ہے، اس لئے مصلحت اندیشی اور وقت شناسی کا تقاضا اور تفقہ اور حکمت دین یہ ہے کہ دوسروں کے اعمال کا ذریعہ بننے کی کوشش کریں۔ تقریر وتحریر، خطوط و ترغیب کے ذریعہ اپنے دوستوں اور بات ماننے والوں کو اس دعوت وتبلیغ کی طرف متوجہ کریں اور ان کے اجر وثواب میں شریک ہوجایئے۔

اعمال کا دارومدار:

مشکل سے کوئی قدم ثواب کی نیت اور دینی نفع کی توقع کے بغیر اٹھتا ہوگا اور کوئی کام محض نفس کے تقاضے سے ہوتا ہوگا گویا **لا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ** آپ کا حال تھا۔ ان کی ہر نقل وحرکت دلچسپی اور شرکت کا محرک اور باعث اجر اور دینی نفع کی امید اور طمع تھی۔ اسی لئے گفتگو فرماتے تھے، اسی لئے تقریبوں میں شرکت کرتے تھے اور اسی بناء پر غصہ آتا تھا اور پھر اسی لئے راضی ہوجاتے تھے، جو چیز اس مقصد اور اس امید سے خالی ہو اس سے ان کو دلچسپی اور تعلق نہیں ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے کاموں میں بھی یہی حال تھا۔

بقول مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاید بغیر نیت کے ایک چائے کی پیالی بھی نہیں پیتے تھے اور نہ کسی کو پیش کرتے تھے۔

عاجزی وانکساری:

آپ اتنے باریک بین اور حاضر دماغ تھے کہ ایک ہی کام میں الگ الگ نیتوں کے ذریعہ ہر شخص کی سطح کے مطابق خصوصی فائدہ اور اجر وثواب کی رہنمائی کرتے تھے۔ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لطیف واقعہ لکھا ہے جس سے اس کا اندازہ ہوگا۔

اخیر زمانہ علالت ہی میں جب کہ حضرت اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے ایک روز دوپہر میں بستی نظام الدین پہنچا، ظہر کی نماز کے لئے بعض میواتی خدام حضرت کو وضو کرا رہے تھے اس وقت مجھ پر حضرت کی نظر پڑی۔ اشارہ سے بلایا اور فرمایا، مولوی صاحب! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برسوں وضو فرماتے ہوئے دیکھا تھا اور ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا تھا پھر بھی وہ متعلمانہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھتے تھے۔

حضرت کا یہ اشارہ سننے کے بعد جب اس نظر سے میں نے حضرت کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا تو محسوس کیا کہ فی الحقیقت ایسی بیماری کی حالت میں وضو کے لئے حضرت کے وضو سے ہمیں بہت کچھ سبق حاصل ہوسکتا ہے۔

حضرت کو جو تین چار خادم وضو کرا رہے تھے، یہ سب میواتی تھے ان کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ بیچارے مجھے وضو کراتے ہیں میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے لئے مجھ سے محبت اور میری خدمت کرتے ہو اور تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نماز اچھی پڑھتا ہوں، جیسی تم نہیں پڑھ سکتے، لہٰذا مجھے وضو اس نیت سے کرا دیا کرو کہ اے اللہ! ہمارا گمان ہے کہ تیرے اس بندہ کی نماز اچھی ہوتی ہے جیسی کہ ہماری نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم اس کے وضو میں مدد دیتے ہیں تاکہ تو اس نماز کے اجر میں ہمارا بھی حصہ کر دے اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تیرے یہ

سادے اور بھولے بندے میرے متعلق ایسا گمان کرتے ہیں، ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز کو قبول فرما کر انہیں بھی اس میں شریک فرمادے۔

پھر فرمایا اگر میں سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان سے اچھی ہوتی ہے تو اللہ کے یہاں مردود ہو جاؤں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک اپنے ان سادہ دل بندوں ہی کی وجہ سے میری نمازوں کو رد نہ فرمائے گا۔

آخرت کا استحضار:

اسی قبیل کی ایک چیز یہ تھی کہ قیامت کا استحضار اور آخرت کا تصور (آنکھوں کے سامنے تصور کی طرح رہنا) ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اکثر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یاد آجاتا تھا کانھم رای عین کہ صحابہ کرامؓ کے سامنے آخرت ایسی رہتی تھی گویا آنکھوں دیکھی چیز ہے۔ ایک مرتبہ ایک میواتی سے دریافت فرمایا کہ دہلی کیوں آئے؟ سادہ دل میواتی نے جواب دیا کہ دہلی دیکھنے کے لئے۔ پھر مولانا کے انداز سے اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی فوراً کہا کہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے۔ پھر بدل کر کہا کہ آپ کی زیارت کے لئے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ دہلی اور جامع مسجد کی جنت کے سامنے کیا حقیقت ہے اور میں کیا ہوں جس کی زیارت کے لئے تم آئے۔ سڑ گل جانے والا ایک جسم، پھر جنت کا جو ذکر کرنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوا کہ جنت سامنے ہے۔

دعوت دیئے جاؤ:

مجلسوں میں جب تک مولانا کو اپنی دعوت کے پیش کرنے کا موقع ملنے کی امید نہیں ہوتی ان میں شرکت پسند نہ کرتے۔ محض رسماً اخلاقاً شرکت بہت گراں گزرتی۔ فرماتے تھے کہ اگر کہیں جاؤ تو اپنی بات لے کر جاؤ اور اس کو پیش کرو۔ اپنی

دعوت کو غالب رکھو۔

ایک مرتبہ میں نے مولانا سید سلیمان صاحب کا ایک فقرہ سنایا جو انہوں نے ایک جلسہ سے واپس آ کر فرمایا تھا کہ اپنی ایک بات کہنے جاؤ تو دوسروں کی دس باتیں (مروتاً) سننی پڑتی ہیں۔ مولانا دیر تک اس کا لطف لیتے رہے اور فرمایا کہ بڑے درد سے کہا ہے۔

موقع ومحل کے مناسب بات:

ایک دفعہ دلّی میں کسی مخلص کے یہاں شادی میں آپ کو شرکت کرنی پڑی۔ آپ نے شادی کی خاص مجلس میں بھرے مجمع میں فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آج آپ کے یہاں یہ خوشی کا دن ہے جس دن میں کمینوں تک کو خوش کیا جاتا ہے۔ گوارا نہیں ہوتا کہ گھر کی بھنگن بھی ناخوش رہے۔ بتلایئے حضور ﷺ کے خوش کرنے کی بھی کوئی فکر آپ لوگوں کو ہے۔ پھر آپ نے تبلیغ اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کو سرسبز کرنے کی کوشش کو حضور ﷺ کی خوشی کا سب سے بڑا ذریعہ بتلاتے ہوئے اس کے لئے حاضرین کو دعوت دی۔

لایعنی سے اجتناب:

لایعنی (جو بات دینی حیثیت سے مفید اور دنیاوی حیثیت سے ضروری نہ ہو) سے بڑی نفرت اور اجتناب تھا اور اس کی دوسروں کو بھی وصیت فرماتے اور تبلیغ میں نکلنے والوں کو بالخصوص تاکید فرماتے۔ فرماتے تھے ''لایعنی میں اشتغال کام کی رونق کو کھو دیتا ہے''۔ جس کام میں دین کا فائدہ نہ دیکھتے اس کو تضیع اوقات سمجھتے۔ ایک مرتبہ میں چبوترہ کے پاس کھڑا ہوا ذوق وشوق کے ساتھ مولوی سید رضا حسن صاحب سے کوئی پرانا واقعہ اور کسی تبلیغی سفر کی روداد سن رہا تھا مولانا نے سنا اور فرمایا

کہ یہ تو تاریخ ہوئی کچھ کام کی بات کیجئے۔

روح کی غذا:

مولانا نے ایک مرتبہ عشق کی یہ تعریف کی تھی ''آدمی کی لذتیں اور دلچسپیاں جو دنیا کی بہت سی چیزوں میں بٹی ہوئی ہیں سب نکل کر کسی ایک چیز میں سمٹ آئیں، یہی عشق ہے''۔ مولانا کی یہ تعریف دین کے بارہ میں خود ان پر صادق تھی۔ اس سے ان کی روح کو عشق ہو گیا تھا جس کے سامنے تمام حسی لذتیں اور تاثرات ماند پڑ گئے تھے اور یہ روحی لذت ان کے لئے بالکل حسی اور طبعی لذت بن گئی تھی۔ اس سے ان کو وہ قوت توانائی اور نشاط و تازگی حاصل ہوتی تھی جو لوگوں کو غذا، ردوا سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک کارکن کو جنہوں نے خانہ نشینی کی حالت میں اپنی بے چینی کی شکایت لکھی تھی جواب میں یہی حقیقت لکھی تھی جو کسی اور کے متعلق صحیح ہو یا نہ ہو ان کے متعلق بالکل صحیح تھی۔

''میرے محترم یہ تبلیغی کام، درحقیقت انسان کی روح کی غذا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو اس غذا سے بہرہ ور فرمایا۔ اب اس کے عارضی فقدان یا کمی پہ بے چینی لازمی شے ہے آپ اس سے پریشان خاطر نہ ہوں''۔

بارہا ایسا ہوا کہ کسی خوشخبری کو سن کر یا کسی ایسے آدمی سے مل کر جس کو وہ اپنی دعوت کے لئے مفید سمجھتے تھے وہ اپنی بیماری بھول گئے۔ طبیعت کو اتنی قوت حاصل ہوئی کہ وہ مریض پر غالب آ گئی۔ دفعۃً صحت ترقی کر گئی۔ اس کے برعکس کسی تشویش یا فکر سے ان کی صحت گر گئی۔ ان کی تمام فکریں ایسی فکر میں گم ہو گئیں تھیں جیسا کہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ طبیعت میں سوائے تبلیغی درد کے اور خیریت ہے۔

علالت و بیماری:

آخری علالت میں ضعف کی وجہ سے بعض مرتبہ ایسی کسی خوشی کا تحمل نہ ہوتا۔ جنوری 1944ء میں جب لکھنوء کی جماعت گئی تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے آنے کے بعد تو کانپور میں کام ختم ہوگیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ لکھنوء سے ایک جماعت گئی تھی اور الحمدللہ کام پھر شروع ہوگیا ہے۔ حاجی ولی محمد صاحب کی طرف میں نے اشارہ کیا کہ یہ بھی اسی جماعت میں تھے۔ مولانا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور ان کے ہاتھ چوم لئے اور فرمایا کہ میرا خوشی سے سر دکھ گیا، مجھے اب بہت خوش بھی نہ کیا کیجئے۔ مجھ میں خوشی کا تحمل نہیں رہا ہے۔

مولانا کی کیفیت یہی تھی کہ ان کی کوششوں میں ان کو جنت کا مزہ آتا تھا۔ اس راستہ میں گرم ہوا بھی ان کے لئے نسیم سحری سے زیادہ خوشگوار اور فرحت بخش تھی۔ ایک دفعہ مئی کی کسی آخری تاریخ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، مولوی اکرام الحسن صاحب ایک کار پر قطب صاحب گئے۔ لو کے سخت جھونکے آرہے تھے۔ کسی نے کہا، لو آرہی ہے، کھڑکیاں بند کردو۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا، جی ہاں! اس وقت گرمی زیادہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اللہ کے راستے کی گرم ہوا نسیم سحر سے زیادہ خوشگوار ہے۔

نماز باجماعت کا اہتمام:

ایک مرتبہ دو دوست ریل میں سفر کررہے تھے۔ ان میں سے ایک نے تو نماز پڑھ لی مگر دوسرے کو ہجوم کی وجہ سے نماز پڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت نے ان سے ملتے ہی دریافت فرمایا، نماز پڑھ لی؟ ایک دوست نے عرض کیا کہ میں نے تو پڑھ لی ہے البتہ میرے رفیق پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر بڑا افسوس کیا اور

اس سلسلہ میں فرمایا کہ میں جب سے اس کام میں لگا ہوں (تقریباً بیس سال سے) ریل پر کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تراویح بھی پڑھوا دی۔ اگرچہ بعض اوقات تراویح کی دو ہی رکعت پڑھنے کی نوبت آئی لیکن کلیۃً ترک نہیں ہوئی۔

دعا کے وقت کیفیت:

مولانا بڑی دیر تک اور بڑی بے قراری اور اضطرار کی کیفیت کے ساتھ دعا فرماتے تھے اور دعا کی حالت میں اکثر ان پر خود فراموشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اور عجیب عجیب مضامین وارد ہوتے۔ پانچوں وقت کی نمازوں کے بعد خصوصاً میوات کے سفروں میں بڑی پر اثر دعائیں فرماتے اور اکثر وہ مستقل تقریریں ہوتیں۔ وہ اللہ سے دل کھول کر مانگتے اور مانگتے وقت اپنی طرف سے کمی نہ کرتے۔ تقریروں کے درمیان یہ فقرہ ابھی تک سننے والوں کے کانوں میں گونج رہا ہے ''مانگو اللہ سے''۔

لمحہ فکریہ:

میرے دوستو! یہ تھیں ہمارے اسلاف کی زندگیاں جو رہتی دنیا تک علم و عمل کے آسمان پر سورج بن کر چمکتی رہیں گی۔ آج ذرا ہم اپنے کردار پر بھی نظر ڈالیں کہ ہم ان کے روحانی بیٹے کہلاتے ہیں۔ لیکن ہمارے کردار اور ان کے کردار میں کوئی تھوڑی سی بھی مماثلت ہے؟ آج ہمارے علم و عمل میں فرق ہے، قال اور حال میں فرق ہے، جلوت اور خلوت میں فرق ہے، اتباع سنت ہم میں پوری نہیں بس کچھ ظاہر داری کر لیتے ہیں، تنہائی میں ہماری شخصیت کچھ اور ہوتی ہے اور باہر کچھ اور ہوتی ہے۔ دل سے پوچھیں دل کہتا ہے کہ دو چہرے ہیں۔ ایک چہرہ وہ جو لوگوں کو

دکھانے کیلئے ہے اور ایک وہ چہرہ جو تیرا پروردگار دجانتا ہے۔ نہ جانے ہمارے اندر سے یہ دورنگی کب ختم ہوگی؟ اور ہم اپنے آپ کو اپنے اسلاف جیسے اخلاق حسنہ سے کب مزین کریں گے؟ اگر چہ آج بھی کچھ اللہ والے ایسے ہیں جو ذکر الٰہی اور تقویٰ و پرہیز گاری سے اپنی زندگیوں کو آباد کررہے ہیں لیکن عمومی طور پر ہماری حالت پست سے پست تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

اپنے ظاہر کو سنت نبوی ﷺ سے اور باطن کو معرفت الٰہی سے سجالیجئے۔ تقویٰ کو اپنے شعار بنائیں اور رضائے الٰہی کو زندگی کا مقصد بنائیں، پھر قدم اٹھائیں گے تو اللہ قدموں میں برکتیں ڈال دیں گے، فتوحات کے دروازے کھلیں گے، اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں ایسا وقار قائم کریں گے کہ کفر اپنے محلات میں بیٹھے بیٹھے کانپ رہا ہوگا۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمادے اور آخرت میں ان کا ساتھ نصیب فرمائے آمین ثم آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 0477-625454
- معہد الفقیر گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دارالہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دارالمطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بارزار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی 051-5771798
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- حافظ جنرل سٹور بازار پرانی سبزی منڈی گوجرانوالہ 0431-230644
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 2 اسلامی کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی 051-5462347

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد